یادگارِ کلثوم

شہزادی کلثوم کا مجموعۂ کلام

مرتبہ

اکبر جے پوری

[illegible]

طبع اول [illegible]

[illegible]

[illegible]

تعداد: ایک ہزار

[illegible] ۱۹۹۳ [illegible]

[illegible]

مطبع [illegible] محمدی پریس

[illegible]

[illegible]

[illegible]

انتساب انتساب انتساب

باعقیدت خاص باعقیدت خاص باعقیدت خاص

الاشتم ۔ ا الاشتم ۔ ا الاشتم

کے نام ۔ کے نام ۔ کے نام

٣
٣

اظہارِ تشکر

صمیمِ قلب سے

[illegible]

اور

[illegible]

شکر گذار ہوں

[illegible]

فهرست

۲۱

تبصرہ

ادیبۂ پاکستان محترمہ بلقیس زیدی صاحبہ ایم اے

کلثوم کی شاعری ۔ فکر و فن کی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ جذبہ کی شدت اور اظہار کے جوش نے خیالات کو جو مؤثر ترین اسلوب دیا ہے اردو غزل میں وہ بہت کم یاب ہے ایک جوان ذہن کے افکار و احساسات میں عموماً پختگی اور اعتماد نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کلثوم کی شاعری ابتداء ہی میں انتہا کی پختگی اور برجستگی لئے ہوئے ہے۔

میں نے اجتماعی حیثیت سے کلثوم کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے۔ غزل میں اُن کا انداز بڑا نکھرا نکھرا ہے۔ زبان کے معاملہ میں وہ بیحد سادگی پسند ہیں۔ وہ نہ تو "ادب برائے ادب" کی قائل نظر آتی ہیں اور "نہ ادب برائے زندگی" سے انھیں کوئی نسبت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُن کی غزل اُن کے اپنے مسائل کی ترجمان ہے۔ اور یہ ایک ایسی ڈگر ہے جو اُن کے نام کو "اردو غزل کی تاریخ" تک لے جائے گی۔ انھوں نے شعر کہا ہے مگر دل کی زبان سے۔ فکر کی ہے مگر حقیقی

بصیرت کی روشنی میں۔ کلثوم کا فکری پیمانہ ــ ایک غیر فانی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اُن کے انداز میں جدیدیت کا عنصر بہت کم ہے تاہم اُن کے کلام کو ایک ٹھہری ہوئی کیفیت نہیں کہا جا سکتا۔ اُن کا کلام اُبھرتی ہوئی موج ہے۔ ایک گونجتی ہوئی اُمنگ ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ اُبھرتی موج اور گرجتی اُمنگ ۲۱ سال کی عمر میں ساحلِ مرگ کی خاموشیوں میں ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔ کلثوم ایک فطری شاعرہ تھی۔ اگر وہ زندہ رہتیں تو اردو غزل کے ایوانوں میں کچھ ایسے چراغ بھی روشن ہو جاتے جن کی روشنی قیامت تک سلامت رہتی۔

غزل کے علاوہ کلثوم نے کچھ مرثیئے اور سلام بھی لکھے ہیں۔ جو بہ اعتبارِ شاعری ایک بلند درجہ رکھتے ہیں اور جن میں کلثوم کی عقیدت اور رغبت کی جھلک بہت نمایاں ہے فنی لحاظ سے بھی کلثوم کی شاعری کا یہ حصہ قابلِ داد ہے تخیل کی بلندی، احساس کی پاکیزگی، شوکتِ الفاظ اور الفاظ کی خوب صورت نشست۔ کلثوم کی فنی صلاحیتوں کا ایک روشن ثبوت ہیں۔ مرثیہ یا سلام لکھنا اردو شاعری کی ایک مشکل صنف ہے اور میں پورے وثوق سے

یہ کہہ سکتی ہوں کہ کلثوم نے اس مشکل صنف میں بھی اپنے
زورِ طبیعت کا رنگ دکھایا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے
انہوں نے اس سنگلاخ راہ کو بھی سہل و آسان بنا دیا ہے
مجھے یقین ہے کہ جواں مرگ کلثوم کا کلام ملک
بھر میں بے حد پسند کیا جائے گا۔ اور اسے بے پناہ مقبولیت
حاصل ہوگی۔ انہوں نے شاعری کے پس منظر میں بعض ایسی
تلخ حقیقتوں کا تجزیہ کیا ہے جس سے پوری زندگی وابستگی
رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنے مسائل کو بزدِ شعر بناتے وقت
کمالِ فن کا یہ ثبوت دیا ہے کہ ہر انسان کو ان مسائل میں
کچھ نہ کچھ اپنا حصہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ اور شاعری
کا یہی کمال ہے کہ شاعر کی زندگی سے تعلق رکھنے والا
شعر پوری کائنات پر محیط ہو جائے۔

بلقیس زیدی

انارکلی لاہور۔

تمہید

از قلم عالیجناب ڈاکٹر شکیل الرحمٰن صاحب ایم - اے - پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
صدر شعبۂ اردو - جموں و کشمیر یونیورسٹی - سری نگر

شہزادی کلثوم نے شہر جنون میں صرف ایک گہری سانس لی ہے۔ کم سنی کی موت سسکتی چاہت کی موت ہے۔ وہ قصۂ خون جگر نہ لکھ سکیں۔ اُن کی یہ تخلیق صرف ایک تبسم رنگین ہے۔ کسی نامکمل مجسمہ کو دیکھتے ہوئے ذہن، ادراک کی مدد سے تکمیل کا احساس دِلا دیتا ہے۔ شہزادی کلثوم کے اس مجموعہ کا مطالعہ کرتے ہوئے شعور خلش اور اضطراب سے آگاہ بھی کرتا ہے۔ اور طلسم کا لطف خاکہ بھی مرتب کر دیتا ہے۔ یہ "الاپ" ہے استھائی نہیں ہے۔ لیکن "الاپ" سے میلانات (Impulses) استھائی کے پھیلاؤ کو محسوس کرا دیتے ہیں۔ اس مجموعہ کی غزلیں اور نظمیں چند راہوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ راہیں اور یہ اشارے شہزادی کلثوم کی جذبی اور ذہنی اقدار اور تمناؤں کا حاصل نہیں ہیں۔ مجھے یہ اشارے پسند آئے اور یہ راہیں دلکش نظر آئیں۔ جمالیاتی مسرت (Aesthetic Pleasure) کے لئے شہزادی کلثوم کے یہ جمالیاتی تجربے باعث تشفی ہوا۔

مایوسیوں نے حسرت و ارمان مٹا دیئے
کیا یہ گھر بھرا ہوا ویران ہو گیا!

میرا حالِ تباہ سُن لیجئے
یہ حکایت نہیں حقیقت ہے

اب تک ہے میرے دل میں وہی حسرت آرزو
بھولی نہیں ہوں آپ کی پہلی نظر کو میں

سر اٹھا تھا ابھی نہ سجدے سے
سامنے اُن کا آستانہ نہ تھا

اے غمِ عشق مانگنے والے!
اک دلِ دردِ آشنا بھی مانگ!

ابتدا جس کی موت ہے اے دل!
اُس محبت کی انتہا بھی مانگ!

مرنا نہ میرا مرنا، جینا نہ میرا جینا
پھر کیوں گِنا رہا ہے کوئی مری خطائیں

اب حکم ہو تو ختم کروں اس سفر کو میں
طے کر چکی ہوں عرصۂ شام و سحر کو میں
دستِ خزاں میں دیکھ کے کھلے ثمر کو میں
کر دوں نہ چاک دامنِ بادِ سحر کو میں
پردہ میں کائنات کے دھوکہ نہ دیجئے
پہچانتی ہوں خوب فریبِ نظر کو میں!

شہزادی کلثوم زندگی کے جلتے ہوئے لمحات سے دو چار ہیں لیکن اُن کے کلام میں ان کا سایہ موجود ہے۔ پُر اسرار کرب کی آسودگی کی کوشش میں انفرادیت کا نقش جم جاتا ہے۔ اِس ادھورے چاند میں پرچھائیں کو دیکھ لینا مشکل نہیں ہے۔ کلاسیکی بحروں کے دھارے میں رشتہ احساس اور جذباتی فکر کا

مطالعہ خلاقانہ توانائی اور اقدار کے نکات کا مطالعہ ہے۔ روایت، نئے تجربوں کی رومانیت کی زمین بھی ہے۔ نئے ذہنی عوامل اور تحریکات روایت اور کلاسکیت کے عطر کے بغیر لازوال اشاروں کو جنم نہیں دے سکتے۔ روایت ایک پھیلے ہوئے اور گہرے نظامِ فکر کا نام ہے۔

اردو کی روایتی شاعری میں جو کلاسیکی روح ہے، جو فکری اور جذباتی میلانات اور تحریکات ہیں اور اس شاعری سے جو اندرونی زرخیزی ہوئی ہے۔ ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے اسے "گل و بلبل" کی شاعری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جدید حقیقت نگاری کے تصور نے قریبِ نظر، ابلاغ، تخیل اور جذبات کی گہرائی اور گیرائی کو جس طرح نظر انداز کیا ہے۔ اس کی مثال آرٹ کی تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتی۔ "حقیقت نگاری" آرٹ کے رموز و علائم کو سمجھ نہ سکی۔ اور بھاگتے لمحوں کے تیز دھاروں سے داخلی اقدار کو بھی تراشنے لگی۔ بات بہت معمولی ہوتی اور وہ یہ کہ منطقی اور استدلالی فکر کے مطابق "زمانہ" کی تراش خراش ہوتی اور جذباتی فکر کے دام سے زمانہ نکل گیا۔ اردو کی کلاسیکی شاعری مختلف اندازِ فکر (Attitudes) کا آئینہ خانہ ہے طرزِ احساس کا مطالعہ نہیں ہوا ہے ورنہ جمالیات کی وسعت کا اندازہ ضرور ہو جاتا۔ ذوق، وجدان اور جذباتی فکر نے ان گنت فضاؤں کی تشکیل کی ہے۔ تہ در تہ داخلیت نے ذہنی زندگی اور شعور و احساس کی اندرونی تاریخ مرتب کی ہے۔ میر، غالب اور اقبال نے حقیقتوں کی جذباتی بازآفرینی کی ہے۔ ان تین شاعروں نے صدیوں کی روایتوں میں تین علیحدہ روشن میناروں کو نصب کیا ہے۔ ان کے علاوہ چند اور اہم نام لئے جا سکتے ہیں ان تمام کلاسیکی شعراء نے رموز و علائم اور جن اشاروں کی تخلیق کی ہے ان میں ابدیت اور ہمہ گیری ہے۔ [illegible] بینی، شخصیتوں کی حرکتیں،

ذہنی کیفیات اور واردات، تخیل، وجدان اور جذبات کے گہوارے ہے ـــ اردو شاعری کی شریعت میں ان ہی تمام باتوں کا ذکر ہوگا۔ اس شریعت کو داخلی طور پر جذب کئے بغیر کوئی جدید شاعر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ کلاسیکی اسالیب اور کلاسیکی علامتیں اندرونی جذبے میں رچی بسی ہوتی ہے۔ اظہار کی قدر (The Values of Expression) کا تصور ان کے بغیر ممکن نہیں ہے ـــ شہزادی کلثوم اس شریعت کے آداب سے واقف ہیں۔ کلاسیکی روایتوں کی روشنی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ تجربوں کو تخیلی اور وجدانی رنگ میں نمایاں کرتے ہوئے "حقیقت" سے زیادہ "تغزلیت" کا خیال رکھتی ہیں۔ غالب اور اقبال کی فکر اور وجدان نے انہیں زیادہ متاثر کیا ہے۔ کم سن ذہن کو خصوصاً اقبال کے جذباتی اور ذہنی نظام سے جو روشنی ملی ہے۔ اسے "حکیمانہ نکات" اور "انقلاب اندر شعور" کے پس منظر میں دیکھنا یقیناً ظلم ہوگا۔ ہاں یہ ضرور دیکھئے کہ اس کم سن اور معصوم نظر کو جو بصیرت ملی ہے۔ اس سے کتنے نازک، لطیف اور گہرے اشارے پیدا ہوئے ہیں اور رومانی رجحان (Romantic Attitude) کس طرح ابھرا ہے۔ شہزادی کلثوم کا رومانی اور جمالیاتی رجحان ابہام کے پیکر نہیں تراشتا۔ نئی اجنبی تشبیہوں کی تخلیق بھی نہیں کرتا۔ اسے فلسفہ اور منطق سے بھی دلچسپی نہیں ہے۔ اس عمر میں یہ سب کچھ ممکن بھی نہ تھا۔ اس رجحان میں روایت اور جدت کا احساس ہے۔ تہذیبی اور تمدنی اقدار اور تصورات سے دلچسپی ہے۔ تخیلی ہیئت کو کچے اور نئے تجربوں اور جذبوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش ہے۔ اس رجحان میں ایک روح مضطرب اور بے چین نظر آتی ہے۔ خلش و تپش، شوق و آرزو،

تلاش و جستجو، حیرت اور بے خودی، امید اور اعتماد، حوصلہ اور ضبط —
ایک دائرے میں ان کے چھوٹے چھوٹے کئی دائرے ملتے ہیں :-

کعبہ نہیں، کلیسا نہیں، دیر بھی نہیں
پھر کیا سمجھ رہی ہوں تری رہگذر کو میں؟
تعبیر اس کی حشر ہے، کس کو خیال تھا؟
اتنا اہم نہ سمجھی تھی خوابِ سحر کو میں!
ٹھہری ہے لامکاں سے گذر کر مری نگاہ!
اب تو بتا کہ کیا کہوں حدِ نظر کو میں؟

خار و گل ہی میں الجھ کر رہ گئی میری نظر
کب یہ ہم آہنگیٔ سود و زیاں سمجھی تھی میں
اب جو دیکھا خود مری ہستی ہی پردہ دار ہے
نالش تو یہی تو درمیاں سمجھی تھی میں!
حاصلِ کون و مکاں ہے ربط و ضبطِ حسن و عشق
یہ حسابِ دوستاں دردِ دل کہاں سمجھی تھی میں؟

جو سمجھ کے پاشکستہ مجھے کارواں نے چھوڑا
تو لپٹ لپٹ کے روئی میں غبارِ کارواں سے
ترے حسن کی حقیقت مرے عشق میں ہے مضمر
مرا دل بھی کم نہیں ہے تری بزمِ لامکاں سے

اے عقلِ دُور باش کہ ہے منزلِ شہود
آئینۂ خیال کو حیران کئے ہوئے
مِٹتی ہے آج عہدِ گلستاں کی یادگار
پھر شاخِ گل ہے برق کو مہماں کئے ہوئے

ہر قطرہ ہے تلاطمِ دریا کی یادگار
ہر ذرہ ہے نمودِ بیاباں لئے ہوئے
اللہ رے دعائے لبِ زخم کا اثر!
وہ خود ہی آ رہے ہیں نمکداں لئے ہوئے

محو تھی تیری یاد میں کلثوم
موت کب آ گئی خدا جانے!

شہزادی کلثوم کی شاعری کی عمر ان کی اپنی عمر سے اتنی کم ہے کہ صورت و معنی کے ارتقا کا کوئی خیال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ غالباً اس شاعری کی عمر صرف پانچ سال ہے۔ یہ صرف ایک اشارہ، ایک ادا، ایک پیکر ہے۔ یہ پہلا زینہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ صرف ایک تبسم اور ایک گہرا نقش ہے۔ کلثوم ریاست جموں و کشمیر کی پہلی اردو شاعرہ ہیں اور شاید اس وقت تک آخری بھی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ انہیں ادبی ماحول اور ادبی محفلوں اور مشاعروں سے استفادہ کا کبھی کوئی موقع نہیں ملا۔ رسالہ "عصمت" اور "خاتونِ مشرق" کی ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۷ء کی جلدوں میں ان کی نظم و نثر کا کچھ حصہ شائع ہوا ہے۔ اور بس۔ ایک پردہ نشین، تنہائی پسند اور دکھی خاتون کا یہ کلام کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اسے محقق اور ناقد اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کلثوم ایک المیہ کردار کا

کام ہے۔ گھریلو زندگی میں بھی اور ادبی زندگی میں بھی۔ کشمیر کی
ایک پردہ نشین عورت نے شاعری اور نثر نگاری کو المیات (Tragedy)
سے گریز کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ یہ "گریز" خود ایک مکمل اشارہ ہے۔ ٹریجڈی
کا حسن اور المیہ کا جمال اسی گریز سے ظاہر ہوا ہے۔ عمل پیہم، جد و جہد
کشمکش، اعتماد اور حوصلے کی باتیں اسی المیہ شعور (Tragic
consciousness) سے آتی ہیں۔ المیہ شعور جب آرٹ کا سہارا لیتا
ہے تو اس کی پہچان وہاں اچھی طرح ہوتی ہے۔ جہاں تمام اہم اخلاقی امکانات
اور کردار کے جوہر کی دریافت کرتا ہے۔ شہزادی کلثوم کی شاعری میں
اس پہلو کی پہچان مشکل نہیں ہے۔ ہلکے ہلکے تصادم میں بھی المیات کے جمالیاتی
جوہر کی چمک نمایاں ہے۔ آرٹ کے سہارے کے بعد المیہ شعور المیات کے
خوف (Tragic Fear) سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ شہزادی کلثوم
کی شاعری میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جہاں تصادم، عمل پیہم،
اور اعتماد اور حوصلے سے دلچسپی لیتے ہوئے شاعرہ اس خوف سے بےخبر
ہو گئی ہے۔ شہزادی کلثوم نے اس گریز سے اپنے ذہن کو آرٹ کے علاوہ
مذہب سے بھی گہرے طور پر وابستہ کر دیا تھا۔ نثری تخلیقات میں اس گریز کی
تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مجھے فنکار کے گریز کا یہ عمل جتنا رومانی اور
ادبی نظر آتا ہے۔ اتنا "حقیقت نگاری" اور "عکاسی" کا عمل ادبی اور
رومانی نظر نہیں آتا۔ مذہب کی گہری رومانیت بھی شہزادی کلثوم کے
المیہ کا نفسیاتی سہارا ہے۔ نثری ادب میں بھی بنیادی خیالات وہی
ہیں۔ جو شاعری میں ملتے ہیں۔ آرٹ کی رومانیت نے مذہب کے بعض
اہم کرداروں کو مکمل رومانوی کردار بنا دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن حسنؓ

سے کلثوم کی والہانہ عقیدت میں اس رجحان کو دیکھا جاسکتا ہے جس کا ذکر میں نے کیا ہے۔ اس رجحان میں جو اضطراب اور خلش ہو چبھن اور درد ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ غزلیات کا مطالعہ کرتے ہوئے شاعرہ کے میلانِ فکر کا پتہ چلتا ہے، ایک صاف، پاکیزہ، سنجیدہ، پُرخلوص اور شریفانہ کردار کی ملسی کیفیات کا علم ہوتا ہے۔ کلام کی پاکیزگی احساس و فکر کو فریب میں مبتلا نہیں کرتی۔ بلکہ ہم اس سے ایک بالیدگی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ شاعری کا سہارا کلثوم کے لیے بڑا مفید ثابت ہوا۔ ماحول کی گھٹن کم ہو گئی۔ اور ادبی قدرا نے ان کے تجربوں کو پھیلا دیا۔ تصوریت، فکر اور احساس اور ہیجانات نے سنہرے جال بُن دیئے۔ اس طلسمی فضا میں کلثوم نے تلخ تجربوں کو بھی ارتفاعی صورت دینے کی کوشش کی ہے۔

فقط نگاہ کا پردہ ہے ورنہ حسنِ یار
کب آشکار نہیں تھا جو آشکار کرے!
کوئی نظر سے بدل دے نظامِ دردِ دل
میری طرح زمانے کو بے قرار کرے!

بیکسوں کی آہ بھی وہ آہِ پُر تاثیر ہے — آپ تو کیا آبدیدہ آپ کی تصویر ہے
ہوشیار اے دامنِ عقل و خرد اب ہوشیار — آج پھر دستِ جنوں میرا گریباں گیر ہے

جس کے دم سے تھی مرے دل کی امنگوں میں بہار
اب وہی خونِ جگر دیدۂ خونبار میں ہے

کعبہ سے روٹھ کے بُت آئے صنم خانے میں
اب کہاں روٹھ کے جائیں گے صنم خانے سے؟
میکدہ سے تیرے میخوار کدھر کو آئیں؟

تو نے کعبہ سے پکارا کہ صنم خانے سے؟

سوئے دل جو نگاہ ہوتی ہے
بخدا بے پناہ ہوتی ہے

لب و لہجہ کتنا صاف اور شگفتہ ہے۔ الفاظ کا آہنگ اور صوتی پیکر بھی کلاسیکی مزاج لئے ہوئے ہے۔ تجربوں کا اظہار بڑی بے باکی سے ہوا ہے۔ اس قسم کے اشعار ہماری ذہنی اور جذباتی ہمدردی فوراً حاصل کر لیتے ہیں۔ "محبت" "احساسِ زوال" "اپنا ماضی و حال" "صدائے دل" "سشماہ مجاہد" اور کچھ نوحے اور کچھ سلام اچھی نظمیں ہیں۔ ابتدائی کوشش کی خامیاں موجود ہیں۔ لیکن کلثوم کے فن کی خوبیاں ان خامیوں پر غور کرنے نہیں دیتیں۔ وادیٔ کشمیر کی پہلی شاعرہ کا اس طرح استقبال کرتے ہوئے مجھے مسرت بھی ہے۔ اور میری آنکھیں پُر نم بھی ہیں۔

سرینگر ۱۱ اگست ۱۹۶۲ء

شکیل الرحمٰن
ایم۔ اے۔ ڈی لٹ
شعبۂ اردو جموں و کشمیر یونیورسٹی

دیباچہ

فخر النسواں ملت محترمہ و معظمہ خطیبۂ ہند، زہرۂ سخن، مجاہدۂ وطن،
جناب سیدہ اختر صاحبہ زاد مجدہا

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے!
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے!

یہ شعر... میری ننھی مجاہدہ عزیزہ کلثوم کی جوان عمر موت پر بالکل صادق آتا ہے۔ جس نے ۲۱ سال کی پُر شباب عمر میں اچانک داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جس نے اپنی زندگی سے جہاد کیا۔ جس نے اپنی بہار خیز زندگی کو اپنے خانگی تلخیوں کی بدولت نذرِ خزاں کر دیا۔ ع

زندگیٔ نو پہ مرگِ ناگہانی چھا گئی
اک کلی کھلنے نہ پائی تھی کہ پھر مرجھا گئی

کلثوم کی صاف و شفاف جبین میں ملک و قوم کا تعمیری مستقبل درخشاں تھا۔ اگر یہ اولوالعزم معصوم مجاہدہ...... کچھ دن اور زندہ رہتی تو مجھے یقین ہے کہ وہ خدمتِ ملک قوم کی صفِ خدمت گزاری میں اپنا ایک انفرادی مقام حاصل کر لیتی۔

کلثوم فطرتاً شاعرہ پیدا ہوئی تھی۔ خوش گو اور خوش فکر شاعرہ... اس نے فنِ شعر و ادب کو باقاعدہ کسی سے نہیں سیکھا۔ البتہ اس نے اپنے زمانے کے مشاہیر شعراء اور باوقار شاعرات کے کلام

کا بہ امعانِ نظر مطالعہ کیا۔ اور پھر اس مطالعے سے گرانقدر استفادہ حاصل کیا۔
کلثوم نے غزل کے ساتھ ساتھ دیگر اصنافِ سخن پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اُس نے رومانی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ اور قومی و وطنی بھی۔ اس کے علاوہ اُس نے منقبت امام حسین علیہ السلام و اہلِ بیت میں نوحے و مرثیے اور سلام بھی لکھے ہیں
ہر چند کلثوم نے کسی استاد قسم کے شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ مگر یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ کہ کلثوم کے کلام میں فنی غلطیاں نہیں اور اگر کچھ ہیں تو وہ اپنی جگہ خود حسن ہیں۔ میرا شعر ہے ؎

اُن کا جمال ہر جا، وہ ہیں ہر انجمن میں
کانٹوں کے بانکپن میں رعنائی چمن میں

کیونکہ صحیح معنے میں شاعر ہو یا شاعرہ۔ جب وہ اپنی تخیلی و تصوراتی کیفیات کے عالم میں ہوتا ہے تو... بلا ارادہ اُس سے کبھی کبھی کوئی فنی لغزش بھی ہو جاتی ہے۔ مگر اس فنی غلطی کے باوجود — اُس کا شعر دلوں کو تڑپا دیتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اولیت شعر کو حاصل ہے۔ اور وہ اس لئے کہ جب تک شعر نہ تھا۔ فن کا وجود بھی نہ تھا۔ فن سے شاعر پیدا ہوا ہے اور شاعر سے فن... یا بالفاظ دیگر یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مگر اولیت شاعر ہی کو حاصل ہے۔ بایں ہمہ فن بھی اپنا مقام رکھتا ہے۔ اور ہر شاعر و ادیب پر فن کا اتباع ضروری ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ شاعر اپنے بہترین شعر کو فن پر قربان کر دے۔
اس طرف حضرت اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب اشارہ کیا ہے ؎

من نمیدانم فعولن فاعلات — شعر میگویم بہ از آبِ حیات

اور ایک دوسری جگہ فنی تقیید و بند پر کتنا لطیف طنز کیا ہے ؎

تم سے نااہلوں میں میری شاعری بیکار ہے!
ساتھ سارنگی کا بلبل کے لئے دشوار ہے!

اور حقیقت یہ ہے کہ بسا اوقات شاعر ایک ایسے مقام بلند پر پہونچ جاتا ہے جہاں نہ فن ہوتا ہے اور نہ لفظ و بیان! بقول حضرت اصغر گونڈوی ؒ ؎

لفظ نہیں، بیاں نہیں یہ کوئی داستاں نہیں
شرح نیاز عاشقی ختم ہے ایک آہ میں!

یہی وہ مقام بلند ہے جہاں لفظ و بیان کا گذر نہیں۔ صرف محسوسات کی کارفرمائیاں ہیں۔ ورنہ شعر کی تعریف تو یہ ہے کہ اُسے سمجھایا نہ جائے۔ بلکہ سامع کا ذہن از خود سمجھ لے۔ بقولِ شاعرِ مشرق ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے!
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے!

یعنی شعر میں شاعر کا حال ہونا چاہئے۔ شعر کہا جاتا۔ بلکہ جب شاعر کے جذبات اور تخیلات قوائے شعریہ سے متصادم ہوتے ہیں۔ تو از خود صورت شعر اختیار کر لیتے ہیں۔ اور میں تو یہاں تک کہوں گی کہ شعر ایک لطیف حادثہ ہے جو یکایک شاعر کے قلب پر وارد ہوتا ہے۔

موجودہ صدی میں تخلص کے اعتبار سے شاعر اور شاعرات کا کچھ شمار نہیں۔ لیکن حقیقی معنے میں جنہیں شاعر اور شاعرہ کہا جاسکتا ہے وہ بہت کم۔ نو مشق شعراء کو چھوڑئیے۔ کہنہ مشق استادوں کے کلام کا جائزہ لیجئے تو ان کے شعراء ان کی زندگی میں بعد المشرقین نظر آئے گا۔

شعر میں شاعر یا شاعرہ کے حال اور اس کے حادثاتِ زندگی کا پرتو ہونا چاہئے۔ میرا شعر ہے ؎

مجھ کو اختر غیر فطری شاعری سے ہے گریز
شاعری تو وارداتِ زندگی کا نام ہے

ہر شاعر کی ابتدا غزل سے ہوتی ہے۔ اور انتہا بھی۔ گو اس دوران وہ دیگر اصنافِ سخن پر بھی طبع آزمائی کرتا ہے۔ لیکن تغزل کو ہر صنفِ سخن میں ملحوظ رکھتا ہے۔

اس وقت غزل کے خلاف — نظم لکھنے والوں نے ایک متحدہ محاذ بنا رکھا ہے۔ لیکن اگر کوئی اُن سے پوچھے! کہ آپ کی ابتدا بھی غزل سے ہوئی ہے۔ اور غزل ہی کی شاہراہ پر چل کر آپ نظم کے میدان میں پہنچے ہیں۔ اس سوال کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ دیگر اصنافِ سخن سے شاعر یا شاعرہ کو واسطہ نہ رکھنا چاہیئے نہیں۔ کبھی نہیں۔ میرا مقصود یہ ہے۔ کہ غزل کی انفرادیت و اہمیت کو ٹھیس نہ لگنی چاہیئے۔ کہ غزل ہی تمام اصنافِ سخن کا سرچشمہ ہے۔ حضرت جگر مراد آبادیؒ نے شاید مخالفین غزل ہی کیلئے یہ شعر کہا تھا۔

انہیں نہ کی خبر کیا۔ گوہرِ مقصود کو کیا جانیں؟
یہ سب ہیں رقصِ موج و سرِ ساحل دیکھنے والے!

شعر۔ آئینہ دارِ حال ہونا چاہیئے۔ شعر۔ شاعر کے جذبات احساسات اور تأثرات کا ترجمان ہونا چاہیئے۔ شعر۔ آپ بیتی ہو۔ شعر میں شاعر کی زندگی ہو۔ شعر میں داخلی مشاہدات و تجربات ہوں۔

مجھے مسرت ہے کہ عزیزہ کلثوم کے کلام میں "حال" بہت زیادہ ہے اور "قال" بہت کم۔ مرحومہ کے چند منتخبہ اشعار بلا کسی تبصرے کے پیش کر رہی ہوں۔ اور وہ صرف اس لیے کہ اگر شعر

صحیح معنے میں شعر ہے۔ تو وہ خود اہلِ دل سے خراجِ تحسین حاصل کرے گا۔

سب سے پہلے کلثوم کی غزلیات کے چند منتخبہ شعر دیکھئے:۔

رُخ بدل دو آج حسن و عشق کی تصویر کا تم بھی دامن تھام لو اب اپنے دامنگیر کا
شادی و غم کا ہے مجموعہ بہارِ زندگی آدمی گلدستہ ہے نیرنگیٔ تقدیر کا

دل وہ اجل نصیب کہ جب کچھ نہ بن پڑا پروانہ وار آپ پہ قربان ہو گیا
اُف رے یہ جوشِ جذبۂ وحشت خدا پناہ دامن سیا تو چاک گریبان ہو گیا

دشمن پہ بھی اللہ برا وقت نہ ڈالے ظلمت میں تو سایہ بھی ہمارا نہیں ہوتا
وہ درد مٹاتے ہیں کہیں داغ مٹا دیں دل سے تو جدا درد تمنا نہیں ہوتا

ارادہ آپ کریں تو نقاب اٹھانے کا نظام خود ہی بدل جائیگا زمانے کا
نشانِ راہِ محبت بنے ہیں دیر و حرم یہیں سے راستہ ہے اُنکے آستانے کا

اس طرح نہ برباد ہو کاشانہ کسی کا ہے منظرِ عبرت دلِ دیرانہ کسی کا
کلثوم تو اپنے ہی مقدر کی ہے شاکی شکوہ نہ فلک کا۔ نہ تمہارا نہ کسی کا

کیا عشق کا شیوہ ہے فطرت کو بدل دینا اب درد کی دنیا ہے پہلے جو مرا دل تھا
کلثوم مری دنیا۔ دنیا نہیں جنت تھی آغوشِ تصور میں جب وہ مہ کامل تھا

از زمیں تا آسماں ساری فضا تاریک تھی
تیرے آتے ہی دو عالم میں چراغاں ہو گیا!
دیکھتی ہوں ہر اک شے میں تجھی کو جلوہ گر
کون کہتا ہے کہ تو پردے میں پنہاں ہو گیا!

مشغلہ ہاتھ آ گیا میری رگِ جاں کے لئے
خارِ حسرت کو خدا رکھے کہ نشتر ہو گیا
جانے کس دنیا میں ہوتے تیرے دیوانے مگر
تیرا "سنگِ در" انہیں "سدِ سکندر" ہو گیا

سر اٹھا تھا ابھی نہ سجدے سے — سامنے اُن کا آستانہ تھا
دل ہمارا تھا اور رسم دل کے — وہ بھی کلثوم کیا زمانہ تھا!

مقدر کا گلہ غیروں کا شکوہ ہو تو کس منہ سے
تمہیں جب چٹکیاں لو دل میں... یوں پہلو نشیں ہو کر

طالب درد اب دوا بھی مانگ! — نغمۂ سازِ بے صدا بھی مانگ!
اے غمِ عشق مانگنے والے — اک دلِ درد آشنا بھی مانگ!
عمر بھر کیں دعائیں جینے کی — ایک دن موت کی دعا بھی مانگ!
اے لبِ زخم اُن سے تیرِ ستم — ایک کے بعد دوسرا بھی مانگ!

اب تک ہے میرے دل میں وُہی حشرِ آرزو!
بھولی نہیں ہوں آپ کی پہلی نظر کو میں!

عشق جو دامِ حُسن میں آ بھی گیا تو کیا ہوا؟
حُسن بھی تو ازل سے ہے قیدِ حریمِ ناز میں

خُوگرِ غم جو ہو گئی اس میں مِرا قصور کیا؟
آپ نے غم دِیے مجھے بن گئی غم نواز میں

حاصِل کون و مکاں ہے ربط و ضبطِ حُسن و عشق!
یہ حسابِ دوستانِ دردِ دل کہاں سمجھی تھی میں؟

مُردہ دل بھی کہیں آسائشِ تن رکھتے ہیں!
پیرہن وہ نہیں رکھتے جو کفن رکھتے ہیں!

تیرے ناوکِ نظر نے مرے دل سے کیا کہا ہے؟
کہ ملا رہا ہے آنکھیں وہ حیاتِ جاوداں سے!

خود بخود جھکتی ہے جہاں یہ جبیں! وہ تری بارگاہ ہوتی ہے!
میرا حالِ تباہ سُن لیجئے! یہ حکایت نہیں حقیقت ہے!

یہ مختصر سا اقتباس ہے کلثوم کی غزلوں کا۔ اب کلثوم سے سلام و مرثیہ و منقبت بھی سنئے ؎

سلام کا ایک مطلع سنئے ؎

فردوس تشنہ جن کے ہے دیدار کے لئے — وہ پھول چاہئیں گُل و گلزار کے لئے

نہ کوثر کی طلب ہم کو نہ ہم جنت کے خواہاں ہیں
ہمارا مامن و ملجا رشۂ بطحا کی گلیاں ہیں!

ولادت حضرت علیؑ کا ایک شعر سنئے ؎

کعبے میں نازل ہوا قرآنِ ناطق عرش سے!
کعبے میں پیدا ہوا وہ خاصۂ ربِ انام!

بدل جائے ستارہ میری قسمت کا تعجب کیا؟
علیؑ کے اک اشارے سے پھرا خورشیدِ خاور ہے!

محبانِ علیؑ کی کیفیت کا پوچھنا کیا ہے؟
زباں پہ نام - دل میں یاد اور آنکھوں میں صورت ہے

آج کعبے میں علیِ مرتضیٰؑ پیدا ہوا — [illegible] وصیِ مصطفیٰؑ پیدا ہوا

منقبت امام حسین علیہ السلام میں!

محمد مصطفیٰؐ کا ہے نواسہ — علیِ مرتضیٰؑ کا یہ پسر ہے!

رجلا اسلام کو دی اپنے خون سے! اے شبیرؑ یہ تیرا جگر ہے!

نوحہ سنئیے سہ

یہی کہتی تھیں زہراؑ کہ کے بکا! مرا باغ عدو نے اُجاڑ دیا!

جسے ناز و نعم سے پالا تھا!

اُسی نورِ نظر کا — واویلا!

گھوڑوں سے بدن پامال کیا!

ہوئی مجھ پہ یہ کیسی ہائے جفا! مرا باغ عدو نے اُجاڑ دیا

مرجائیگی مرجائیگی مرجائیگی صغراؑ

گر قتل شہ دیںؑ کی خبر پائیگی صغراؑ

سر پیٹ کے ماتم میں بہت ہوگی پریشاں

بابا کو وطن میں جو نہیں پائیگی صغراؑ

روئے گی بہت ہجر میں فریاد کرے گی

اکبرؑ سے برادر کو نہ جب پائیگی صغراؑ

افسوس کہ عباسؑ بھی دریا پہ ہوئے قتل

اللہ کہاں ایسا چچا پائیگی صغراؑ

ہے کعبہ وہ دل جس میں شبیرؑ کی اُلفت ہے!

دن ہے تو عبادت ہے شب ہو تو عبادت ہے!

ہے کون حسینؑ آخر میں تم کو بتاتی ہوں

قرآن الٰہی کی سب سے بڑی آیت ہے!

نظم احباب زوال کے کچھ شعر!

[...]ک نے خاک میں ہم کو ملا کے دیکھ لیا بڑھا کے دیکھ لیا اور گھٹا کے دیکھ لیا!

نہ اب وہ عظمت وعزت نہ دولت و حشمت   ہر اک شکل میں ہم کو مٹا کے دیکھ لیا

"برادرانِ وطن سے" ؎

مُلک کی حالت پہ سینوں سے دُھواں اُٹھتا نہیں!
سازِ دل خاموش ہے شورِ فغاں اٹھتا نہیں!
کِس لئے آنکھوں میں طوفانِ نہاں اٹھتا نہیں
پھول روندے جا رہے ہیں باغباں اٹھتا نہیں!
بے حسی کی انتہا ہے ہوش میں آتے نہیں!
ذِلتوں پر ذلتیں ہوتی ہیں شرماتے نہیں!
شعلۂ احساس بجھتا ہے ہوا دیدو اسے
غرق کشتی ہو رہی ہے آسرا دیدو اُسے!
قومیت دم توڑتی ہے کچھ دوا دیدو اُسے!
مُلک مٹنے کو ہے پیغامِ بقا دیدو اُسے!
مطمئن بیٹھے ہو دل سینے میں گھبراتا نہیں!
قوم کے دم توڑنے پر بھی ترس آتا نہیں!

"صدائے دل" ؎

خدایا دُور کر اربابِ ملت کی پریشانی!
الٰہی کارِ مشکل میں دکھا دے شکلِ آسانی!
وُہی ہم ہیں کہ دولت حاشیہ بردار و دربان تھی
وُہی اب ہیں درِ اغیار کی کرتے ہیں دربانی!

"خونِ مسلم" سے

جہاں میں کس قدر اب خونِ مسلم کی ہے ارزانی!
نظر آتا ہے دُنیا میں مسلماں کا لہو پانی!
مسلمان دشمنوں سے مل کے ہے دشمن مسلمان کا
مسلمان کا لہو مسلم کے ہاتھوں وائے نادانی!

نبیؐ کا نام لیوا ہے تو اے مسلم نہ غفلت کر!
حسینؑ بن کے تیاری ذرا بہرِ شہادت کر!
جو مؤمن ہے کبھی جور و ستم سے دب نہیں سکتا
دکھا دے شانِ ایماں ظلم کو دنیا سے غارت کر!

نظم "انقلاب فلسطین" کا یہ مطلع کیا خوب ہے سے

دیکھتا ہے کون صحرا کے بگولوں کی طرف؟
جو نظر اٹھتی ہے بس جاتی ہے پھولوں کی طرف!

نظم "اپنا ماضی و حال" کے چند شعر سے

چشم گریاں سینہ بریاں آہ بے تاثیر ہے! کیا کہوں کس کو سناؤں؟ شرم دامنگیر ہے!
آہ اب تک بھی مجھے اپنی کہانی یاد ہے!
جب خدا کی ہر طرح تھی مہربانی یاد ہے!

نظم "حال" کے چند شعر سنئے سے

وائے قسمت کائناتِ دل ہماری لُٹ گئی! عیش کی دنیا ہماری آہ ہم سے چھُٹ گئی!
بادِ صرصر جل پڑی ایسی کہ ویراں کر دیا! وحشت کا تو ذکر کیا گھر کو بیابان کر دیا!
تنگ دستی فاقہ مستی نے ہمیں گھیرا ہے آج اب نہ دنیا ہے نہ عقبیٰ سب نے منہ پھیرا ہے آج!
حال ابتر، فال ابتر، جیب و داماں تار تار آہ قسمت بن گئی ہے باعثِ صد انتشار!

بن کے صیدِ دامِ حرص و آز رُسوا ہو گئے
جو تماشا دیکھتے تھے خود تماشا ہو گئے!

اب ایک رومانی نظم کے کچھ شعر سنیئے ؎

کبھی جب رات کی تنہائی میں تم مضطرب ہو گی
کبھی جب فکر کی گہرائی میں تم مضطرب ہو گی
تمہیں اُس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا!

صدا کوئل کی آئیگی جو اک گام کانوں میں
پھرو گی تم جو تنہا دشت میں اور گلستانوں میں
تمہیں اُس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا!

اگر تنہائی میں تم شعر کوئی گنگناؤ گی!
اور راتوں میں تم کسی کی حسرتِ دیدار پاؤ گی!
تمہیں اُس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا!

بہار آکر ستائے گی خزاں تم کو رلائے گی!
تصور میں تمہارے میری صورت گھوم جائیگی!
تمہیں اس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا!

یہ تھا کلثوم کے شعر و ادب کا مختصر اقتباس۔ جس کو پڑھکر اہلِ نظر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مستقبل کی ایک خوش فکر شاعرہ کو موت کے بے رحم ہاتھوں نے ملک و ملّت سے چھین لیا۔ آہ!۔ بقولِ کلثوم ؎

دو ہچکیوں میں ٹوٹ گیا قفلِ عنصری!
شیرازۂ حیات پریشان ہو گیا!!

بیگم محل بنگلور ۸
۲ر فروری سنہ ۱۹۶۱ء

خادمۂ ملک و ملّت
سیدہ اختر

"ننھی مجاہدہ"

خطیبۂ ہند، زہرۂ سخن، مجاہدۂ وطن سیدہ اختر

ننھی مجاہدہ مری امید کے مزار! — اے جادۂ فنا کی مسافر ترے نثار!
کلثوم تیری مرگِ جواں عمر آہ آہ — مجروح کسقدر ہے ترے غم میں ہر نگاہ
اکیس سال عمر تری تھی ابھی مگر — شامِ اجل نے تجھکو دکھائی نہ پھر سحر!
سید علی[1] کا دل ہے ترے واسطے فگار — اکبر[2] کی زندگی ہے ترے غم میں سوگوار!
تحریکِ خاکسار کی اے مایۂ شباب — کیوں زندگی کا ڈوب گیا تیرے آفتاب!
اے خوش جمال و پاک نظر پیکرِ خیال — شعر و ادب میں بھی تجھے حاصل ہوا کمال!
فوجی لباس اور عجب سوز و ساز میں — ننھا سا بیلچہ وہ ترے دستِ ناز میں!
ہر ہر نفس تھا صدق و صفا کا ترے نشان — تجھ سی مجاہدہ مگر اب ہند میں کہاں!
اے کاش تجھ سی اور بھی پیدا ہوں لڑکیاں — اے کاش پھر نسائیت ہو گلفشاں!
اے کاش پھر ہو رضیہ و خولہ کا اتباع — اے کاش پھر ہو اہلِ صداقت کا اجتماع!
تیری تجلیوں کی ضرورت ہے قوم کو — تیری ہما ہمی سے محبت ہے قوم کو!

اے آسمانِ ملت و وحدت کے ماہتاب!
اختر ہے تیرے واسطے تصویرِ اضطراب!

۱۔ کلثوم کے باپ — ۲۔ کلثوم کے بھائی۔

مقدمہ

ڈاکٹر سیدہ جعفر ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
(شعبۂ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد)

شہر جے پور کو صرف اپنی خوب صورتی و دلکشی اور اپنے "خواب سنگ" یا "شہر گلابی" اور "شہر یک ہزار طاؤس" ہونے ہی پر ناز نہیں، شہزادی کلثوم کی نغمہ ریزی اور سخن سنجی سے منسوب ہونے کا بھی فخر حاصل ہے۔ کلثوم کا نام ایک عظیم شاعر یا سربلند فنکار کی حیثیت سے ہمارے سامنے نہیں آتا۔ شاید بہت سے اردو والوں کو ان کے کلام کا مطالعہ کرنے کا موقعہ بھی نہ ملا ہو، انہوں نے کوئی ضخیم دیوان اپنی یادگار نہیں چھوڑا۔ لیکن اس مختصر سے مجموعۂ کلام میں چند ایسے حسیاتی اشارے، کچھ ایسی تجلیاں، جمالیاتی اِدراک کا ایسا اظہار، ایسی رچی ہوئی رومانی فضاء، اور احساس کی ایسی لطافت ملتی ہے جو ہمیں کچھ دیر کے لئے متاثر ضرور کر دیتی ہے۔ کلثوم کی شاعری کا زمانہ بہت مختصر ہے۔ وہ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئیں اور ۱۹۴۹ء میں کشمیر کی گل پوش وادی میں پیوند خاک ہو گئیں۔ اتنے کم عرصے میں زندگی، شاعری، اور موت کی منزلیں طے ہو گئیں۔ اس مختصر سی "فرصت زیست" میں شہزادی کلثوم نے ایک شاعرہ اور ادیبہ کی حیثیت سے جو ادبی خدمات انجام دیں وہ صرف قابل تعریف ہی نہیں حیرت انگیز بھی ہیں۔ ادبی زندگی کے چند ہی برسوں میں انہوں نے "شمع حرم" "معرکۂ کربلا" اور "شاعرات اور اقبال" جیسی خوشگوار تخلیقات پیش کر دیں اور یہ

ثابت کر دیا کہ باعمل اور بلند مقصد زندگی کبھی موت کی چیرہ دستیوں سے پس پا نہیں ہو سکتی۔

شہزادی کلثوم کی شاعری میں بہت سی صحت مند علامات ملتی ہیں۔ انہوں نے غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور نظم میں بھی۔ کلثوم کی غزلوں پر کلاسکی شاعری کی پرچھائیں پڑتی ہیں۔ اور ان کی نظموں میں عصر جدید کے میلانات کی عکاسی ملتی ہے۔ لیکن کلثوم کی نظموں سے زیادہ جاندار اور موثر ان کی غزلیں ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شہزادی کلثوم غزل کی مخصوص فضا، اس کی رسیلی تانوں، اس کے ہم آہنگ مزاج، اس کے آداب اور اس کی مخصوص طرز دلبری کی اداشناس ہیں۔ کلثوم کی غزلوں میں ہر جگہ ان کے شعری مزاج کی نفاست، شائستگی اور زبان و بیان کا ستھرا پن اور پاکیزگی جھلکتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کلثوم نے اساتذۂ فن کی نازک خیالی، زبان کی صفائی اور لب و لہجے کی گمبھیر کیفیت اور اسلوب کے رچاؤ کو پیش نظر رکھتے ہوئے شعر کہے ہیں بعض اشعار میں اس کا پرتو صاف دکھائی دیتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں جو اپنی نغمگی، احساس کی چبھن، تجربے کی گرمی اور لب و لہجے کے تیکھے پن کی وجہ سے ہمارے دل کو موہ لیتے ہیں ؎

ٹوٹے دل جو نگاہ ہوتی ہے — بخدا بے پناہ ہوتی ہے

نہ ملی پناہ دل کو ترے حسن بے اماں سے
مری حسرتوں کو رو دے کوئی کہہ دے نوحہ خواں سے

اے عقل دور باش کہ ہے منزل شہود — آئینہ خیال کو حیران کیے ہوئے

سر اٹھا تھا نہ ابھی سجدے سے — سامنے اُن کا آستانہ تھا

اللہ رے دعائے لب زخم کا اثر وہ خود ہی آرہے ہیں نمکداں لئے ہوئے

ڈگمگاتا ہے دلِ جہاں کلثوم
وہ محبت کی راہ ہوتی ہے!

کلثوم نے دوسرے غزل گو شعراء کی طرح متصوفانہ اشعار بھی لکھے ہیں۔ اور تصوف کے وہ عام مسائل جن کا ذکر کسی نہ کسی انداز میں اکثر غزل گو شعراء کے یہاں مل جاتا ہے۔ کلثوم کے پاس بھی موجود ہیں۔ کلثوم کے کلام میں ایسے اشعار خاص تعداد میں موجود ہیں۔ ان کی مختلف نظموں اور اشعار کا مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کلثوم کے تصورات اور خیالات پر مذہب کی چھاپ ذرا گہری تھی۔ ان کے کلام میں متصوفانہ اشاروں کی بہتات کی بھی غالباً یہی وجہ ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں جن میں تصوف کے بعض عام فہم نکات کو کلثوم نے اپنے شگفتہ اور پرکشش انداز بیان میں اس طرح ڈھالا ہے ؎

پردے میں کائنات کے دھوکا نہ دیجئے پہچانتی ہوں خوب فریبِ نظر کو میں!

اے صبح قیامت کیا کہنا اس وعدۂ دید کے میں قربان
جب پردے سے وہ نکلے ہیں جب دیکھنے والا کوئی نہیں

مرا ہونا نہ ہونا کیا مرا بننا بگڑنا کیا
حجابِ نیستی ہی میں جو پنہاں رازِ ہستی ہے

حُسن جس رنگ میں بھی جلوہ نما ہوتا ہے بندۂ عشق کی نظروں میں خدا ہوتا ہے

اب جو دیکھا خود مری ہستی ہی پردہ دار ہے تابشِ تنویر ہی کو درمیان سمجھی تھی میں

کلثوم کے طرز ادا کی ایک خصوصیت ان کا پُر سوز لب و لہجہ ہے۔ ان کے اکثر اشعار میں خستگی اور گداختگی، پُر حزن موسیقیت اور رُکی رُکی آہوں کی سی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ احساس غم نے ان کی غزلوں کو اثر انگیزی، تڑپ اور ایک المناک کسک عطا کر دی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے جن سے شہزادی کلثوم کے کلام کی دردمندی اور سوز و گداز کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

مُردہ دل بھی کہیں آسائش تن رکھتے ہیں
ہیرہن وہ نہیں رکھتے جو کفن رکھتے ہیں

نگاہیں مضطرب خاطر پریشاں فکر پژمردہ
اگر جینا اسی کا نام ہے تو سخت مشکل ہے

آپ بھی دیکھئے کیا سیر ہے کیسی ہے بہار
داغ دل ہم نہیں رکھتے ہیں چمن رکھتے ہیں

جو سمجھ کے پا شکستہ مجھے کارواں نے چھوڑا
تو لپٹ لپٹ کے روئی ہیں غبار کارواں سے

اس طرح نہ برباد ہو کاشانہ کسی کا
ہے منظر عبرت دل ویرانہ کسی کا

شہزادی کلثوم کے اشعار میں کہیں کہیں نُدرتِ خیال ایک خاص لطف پیدا کر دیتی ہے بات میں بات پیدا کرنا یا معمولی تجربے کو بھی چونکا دینے والے رنگ میں پیش کرنا اور فکر و احساس کی اثر انگیز عکاسی کا کلثوم میں ایک خاص سلیقہ نظر آتا ہے۔ حسن و عشق کے پامال مضامین میں بھی انہوں نے ندرت خیال کے سہارے کہیں کہیں خاص شادابی اور تازگی پیدا کر دی ہے ؎

فقط اس آسرے میں رات کاٹی شمع نے رو کر
کہ شاید صبح تک زندہ مرا پروانہ ہو جائے

منجدھار سے کشتی پار ہوئی ساحل پہ جب آئی ڈوب گئی
تقدیر تو سب کی ساتھی تھی تقدیر کا ساتھی کوئی نہیں

سمجھائے کوئی حضرت ناصح تو آ کر   دیوانوں سے لڑتے ہیں یہ ہوشیار ہیں کیسے!

بے خودی میں کر رہی ہوں کوئے جاناں کا طواف
میری عریانی ہی میرے واسطے احرام ہے

شہزادی کلثوم کا طرز ادا جاندار اور شگفتہ ہے۔ ان کے اشعار میں سادگی، روانی اور بے ساختگی موجود ہے ابتدائی مشق کی بعض خامیوں سے قطع نظر کلثوم کے اشعار میں خاص جاذبیت اور دلنشینی پائی جاتی ہے انہوں نے عام فہم زبان، بے ساختہ طرز اظہار اور سادگی کے سہارے اپنی شاعری میں حسن پیدا کر دیا ہے ؎

دست دعا اٹھا کے مانگی تو ہیں دعائیں
اب یہ مرا مقدر وہ آئیں یا نہ آئیں

یہ مست مست بادل یہ جھومتی گھٹائیں
میخانے ہی پہ برسیں میخانے ہی پہ چھائیں

اب بھی ہے میرے دل میں وُہی حشر آرزو
بھولی نہیں ہوں آپ کی پہلی نظر کو میں

از زمین تا آسمان ساری فضا دتاریک تھی
تیرے آتے ہی دو عالم میں چراغاں ہو گیا

شکلِ سائل سوال ہوتی ہے — پوچھتے کیا ہو، مدّعا کیا ہے

عاشق ناشاد وہ لذت کش تعزیر ہے
جو نہ کی تھی کہدیا یہ بھی مری تقصیر ہے

کیسی دُنیا کس کو عقبیٰ چاہئے — تم جو مل جاؤ تو پھر کیا چاہئے

اے ناقۂ لیلیٰ پردہ نشین پھر نجد کے ذرے رقص میں ہیں
اب منزلِ حسن تو سامنے ہے کیا عشق کی منزل کوئی نہیں؟

شہزادی کلثوم نے نظموں کے علاوہ نوحے اور سلام بھی لکھے ہیں ان سے کلثوم کے مذہبی جوش وخروش اور اہلبیت اطہار سے انکی غیر معمولی عقیدت اور مودت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان نظموں میں بعض شعر اپنی روانی۔ بے ساختگی اور اثر انگیزی کے لحاظ سے قابل تعریف ہیں۔ "مخدومۂ عالم"، "شاہزادۂ مجاہدہ" اور "علمدار کربلا" اچھی مذہبی

نظمیں ہیں۔

شہزادی کلثوم نے زیادہ نظمیں نہیں لکھیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا طبعی میلان غزل کی طرف تھا۔ ان کی نظموں میں کہیں جوش، اُبال اور ولولہ انگیزی ملتی ہے اور کہیں اختر شیرانی کی رومانیت سے اثر پذیری کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔

کلثوم کے کلام میں نومشقی کی بعض خامیاں موجود ہیں۔ ان کی شاعری میں وہ رچاؤ اور پختگی موجود نہیں جو اکثر مستقل ریاضت یا مسلسل مشق سے پیدا ہوتی ہے۔ مختصر سے زمانۂ حیات میں شخصیت کے مکمل ابھار اور شاعری کے بھرپور نکھار کی گنجائش کہاں تھی؟ یہ سوچ کر دکھ ہوتا ہے کہ ؎

خوش درخشندہ ولے شعلہ مستعجل بود

مجھے امید ہے کہ شہزادی کلثوم کے اس مختصر سے مجموعہ کلام کو لوگ دلچسپی سے پڑھیں گے۔ اور اُسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائیگا۔

نظام کالج حیدرآباد
۲۹۔ نومبر ۱۹۶۱ء

سیدہ جعفر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات

(۱)

رخ بدل دو آج حسن و عشق کی تصویر کا
تم بھی دامن تھام لو اب اپنے دامن گیر کا

جب دعائے وصل کے معنی نشاطِ مرگ ہیں
فیصلہ پھر کیوں نہیں ہوتا مری تقدیر کا

کہہ گیا دو ہچکیوں میں عمر بھر کی داستاں
مرنے والے واہ! کیا کہنا تری تقریر کا

شادی و غم کا ہے مجموعہ بہارِ زندگی
آدمی گلدستہ ہے نیرنگیٔ تقدیر کا

شامِ غم جب دل کراہا، کانپ اٹھی کائنات
اللہ اللہ رنگ میرے نالۂ شبگیر کا

آ رہی ہے میری آنکھوں میں سمٹ کر کائنات
خواب پورا ہو چکا اب وقت ہے تعبیر کا
کھولنے سے کھل نہیں سکتے مری قسمت کے پیچ
عقدۂ لاحل ہے ہر عقدہ مری تقدیر کا
ہوں غبارِ کاروانِ منزلِ عشقِ علیؑ
خاک ہے نظروں میں میری مرتبہ اکسیر کا
مٹتے مٹتے کہہ رہا ہے موجِ دریا سے حباب
میرے دم کے ساتھ ہے رشتہ مری تعمیر کا
آرزو کلثوم کی بس یہ ہے بہرِ پنج تنؑ
دیکھ لے آنکھوں سے روضہ حضرتِ شبیرؑ کا
کر دیا مجبور ایسا فطرتِ مجبور نے
ہر دعا کلثوم کی تکتی ہے منہ تاثیر کا

جب اہلِ دل کو عشق کا عرفان ہو گیا
حسنِ فریب کار پشیمان ہو گیا

دل میں خیالِ یار جو مہمان ہو گیا
اُجڑا ہوا دیار گلستان ہو گیا

مایوسیوں نے حسرت وارماں مٹا دیئے
کیسا یہ گھر بھرا ہوا ویران ہو گیا

نکلا نہ بعد مرگ بھی سینے سے تیرِ ناز
دل میں اِدھر چھپا اُدھر ارمان ہو گیا

دو ہچکیوں میں ٹوٹ گیا قفلِ عنصری
شیرازۂ حیات پریشان ہو گیا

دل وہ اجل نصیب کہ جب کچھ نہ بن پڑا
پروانہ وار آپ پہ قربان ہو گیا

عالم سے بے نیاز کیا تیری یاد نے
اب دل ہمارا گویا تیری شان ہو گیا

اُف رے خیالِ یار تری سحر کاریاں!
دل میں مرے سما کے مری جان ہو گیا

اُف رے یہ جوشِ جذبۂ وحشت خدا پناہ
دامن سیا تو چاکِ گریبان ہو گیا

کلثوم کیا سنائیں محبت کی سرگزشت
دِل اُن سے مِل کے اور پریشان ہو گیا

جِس دل میں نہاں عشق کا سودا نہیں ہوتا
اُس دل پہ عیاں جلوۂ مولیٰ نہیں ہوتا

دشمن پہ بھی اللہ بُرا وقت نہ ڈالے
غُربت میں تو سایہ بھی ہمارا نہیں ہوتا

غیروں پہ بھروسہ ہو تعجب کا محل ہے
اپنا بھی بُرے وقت میں اپنا نہیں ہوتا

وہ درد مٹاتے ہیں کہیں دل نہ مٹا دیں
دل سے تو جُدا دردِ تمنّا نہیں ہوتا

یہ سچ ہے کہ فریاد خدا سنتا ہے سب کی
افسوس رسا اپنا ہی نالہ نہیں ہوتا

میں چاہتی ہوں اس لئے نظارانِ چمن کو
سُنتی ہوں کہ اُن پر کوئی شیدا نہیں ہوتا

نا اہل زمانے سے چھُپاتا اگر منصور
تو رازِ محبّت کبھی رُسوا نہیں ہوتا

ہم دیکھتے ہیں اُن کو تصوّر کی نظر سے
وہ پردہ بھی کرتے ہیں تو پردہ نہیں ہوتا

وہ حُسن کہ تھا طُور پہ بھی پردہ میں کلثوم
کیا بات کہ مجھ سے کوئی پردا نہیں ہوتا؟

ارادہ آپ کریں تو نقاب اُٹھانے کا
نظام خود ہی بدل جائے گا زمانے کا
حضورجس کو سمجھتے ہیں برق کا شعلہ
یہی چراغ فروزاں ہے آشیانے کا
مٹائے دیتا ہے اِس انتخاب کا احساس
کہ تُو نے دردِ دیا ہے مجھے زمانے کا
بقدرِ ذوق اگر اختیار وہ دیدیں
پلٹ دوں رُخ میں اِدھر سے اُدھر زمانے کا
مُرادِ دِل نہ ملے مجھ کو ہو نہیں سکتا
کہ آسرا ہے مجھے تیرے آستانے کا
کسی کے دِن ہیں بڑے تو کسی کی رات بڑی
ہوا کے رُخ پہ بدلتا ہے رُخ زمانے کا
نشانِ راہِ محبت بنے ہیں دیر و حرم
یہیں سے رستہ ہے اُن کے آستانے کا

کہیں سے ڈھونڈ کے لے آؤ برقِ خاطف کو
چراغ گل نہ ہو جائے آشیانے کا
وہی زمانے میں کرتا رہا ہے فغاں کلثوم
جسے خدا نے دیا لمحہ مُسکرانے کا

اِس طرح نہ برباد ہو کاشانہ کسی کا
ہے منظرِ عبرت دلِ ویرانہ کسی کا
پردے بھی تعیّن کے یونہی پھونک دے اے برق!
پھونکا تھا ابھی جس طرح کاشانہ کسی کا
واللیل کے لاموں سے سجے زلف کسی کی
اللہ کی تشدید بنے شانہ کسی کا
بند آنکھیں اِدھر ہو گئیں بیمارِ الم کی
چھیڑا جو اجل نے اُدھر افسانہ کسی کا

کثرت سے گناہوں کی پریشان ہیں کیوں ہو
جب جانتی ہوں جوشش کریما نہ کسی کا
کلثوم تو اپنے ہی مقدّر کی ہے شاکی
شکوہ نہ فلک کا، نہ تمہارا، نہ کسی کا

جو نقش تھا دُنیا کا بے شبہ وہ باطل تھا
خود میرا تخیّل ہی رنگینیٔ محفل تھا
کیا عشق کا شیوہ ہے فطرت کو بدل دینا؟
اب درد کی دُنیا ہے پہلے جو مرا دل تھا
دُنیا مری نظروں میں فردوس بہ داماں تھی
گلزارِ محبت کا ہر پھول مرا دل تھا
تصویرِ قیامت تھا وہ طور کا ہنگامہ
بکھرے ہوئے جلوے تھے کھویا ہوا سائل تھا

جلوؤں کی نمائش تھی جب وادیٔ ایمن میں
بے تاب نگاہیں تھیں بے چین مرا دل تھا
تو تھا ترے جلوے تھے میں تھا مرے سجدے تھے
وہ حسن کی موجیں تھیں یہ عشق کا ساحل تھا
کیا خوب مری دنیا، دنیا نہیں جنت تھی
آغوشِ تصوّر میں جب وہ مہِ کامل تھا

انتہائے عشق کا جب مجھ کو عرفاں ہو گیا
جلوۂ حسنِ ازل محشر بداماں ہو گیا
ذرّہ ذرّہ ہمسرِ مہرِ درخشاں ہو گیا
عام اب فیضِ جمالِ حسنِ جاناں ہو گیا
از زمیں تا آسماں ساری فضا تاریک تھی
تیرے آتے ہی وہ عالم میں چراغاں ہو گیا

دیکھتی ہوں میں ہر اک شے میں تجلی کو جلوہ گر
کون کہتا ہے کہ تو پردہ میں پنہاں ہو گیا؟

آ گئی آنکھوں میں کھچ کر جب بہارِ کائنات
جس بیاباں پر نظر ڈالی گلستاں ہو گیا

پھر گری برقِ تبسّم طالبِ دیدار پر
مُسکرا کر پھر کوئی پردے میں پنہاں ہو گیا

اللہ اللہ کسقدر ہے وسعتِ میدانِ عشق!
میری خاکِ دل کا ہر ذرّہ بیاباں ہو گیا

ہے مری چشمِ تصوّر بھی وہ صورت آفریں
جس جگہ چاہا وہیں دیدارِ جاناں ہو گیا

عالمِ میثاق میں کلثوم تھی رُوحِ جمال
بزمِ ہستی میں جب آئی ہم انساں ہو گیا

آج کل کچھ ایسا برگشتہ مقدّر ہو گیا
لعل چھوتے ہی مری قسمت سے پتھر ہو گیا
کل جو اک نقطہ تھا میرے دامنِ دل کے قریب
بڑھتے بڑھتے آج وہ خورشیدِ محشر ہو گیا
مشغلہ ہاتھ آ گیا میری رگِ جاں کے لئے
خارِ حسرت کو خدا رکھے کہ نشتر ہو گیا
سو دفعہ بن کر مٹا اور سو دفعہ مِٹ کر بنا
صورتِ نقشِ قدم میرا مقدّر ہو گیا
جانے کس دنیا میں ہوتے تیرے دیوانے مگر
تیرا سنگِ در انہیں سدِّ سکندر ہو گیا
جس کو دیکھو وہ جُھکا پڑتا ہے سجدے کے لئے
آج تو کعبہ تری چوکھٹ کا پتھر ہو گیا
کھل نہیں سکتا تھا اُن پر دل کی بیتابی کا حال
گھر کا بھیدی یہ ہمارا دیدۂ تر ہو گیا

جب نہ دیکھا اُن کو میرے دیدۂ مشتاق نے
پاس سے تارِ نظر چلمن کی جھالر ہو گیا
یوں تو کہنے کو تھے لفظِ آرزو میں چار حرف
لیکن اب تو بڑھتے بڑھتے ایک دفتر ہو گیا
جسقدر تھیں بندگی کی عظمتیں سب مل گئیں
میرا سر کلثوم اس چوکھٹ کا پتھر ہو گیا

یادِ ایّام کیا زمانہ تھا؟
باغ تھا، ہم تھے، آشیانہ تھا
سر اُٹھانا ابھی نہ سجدے سے
سامنے اُن کا آستانہ تھا
برق بھی باغ میں وہیں پہ گری
جس جگہ میرا آشیانہ تھا

جس طرف دیکھتے تھے گلشن میں
آشیانہ ہی آشیانہ تھا
تیر چھوٹا جو اُن کی چٹکی سے
میرا دل اِس طرف نشانہ تھا
سرد آہیں تھیں گرم آنسو تھے
معتدل عشق کا فسانہ تھا
دل ہمارا تھا اور ہم دل کے
وہ بھی کلثوم کیا زمانہ تھا

(۳)

تیری تصویر تسکیں دے رہی ہے دلنشیں ہو کر
اب آہ شعلہ زا نکلے گی کیونکر آتشیں ہو کر؟
مقدّر کا گِلہ، غیروں کا شکوہ، ہو تو کِس مُنہ سے
تمھیں جب چُٹکیاں لو دل میں یوں پہلو نشیں ہو کر

کشش کی انتہا بھی ہے، تصوّر کی کوئی حد بھی
میری آنکھوں میں وہ رہتے ہیں اب پردہ نشیں ہو کر

کہاں کا دل وہ میری جان بھی اب لے کے جاتا ہے
تمہارا درد، جواب تک رہا تھا دلنشیں ہو کر

میری تقدیر میں کلثومؔ اِک یہ بھی تھی محرومی
وہ آنکھیں بن گئیں قاتِل محبّت آفریں ہو کر

یہ پردہ ہے یا ہے کلثومؔ کوتاہی مقدّر کی
نہاں ہیں میری آنکھوں سے تجلّی آفریں ہو کر

(ف)

میرا دل اور میری جان ہے قرآن شریف
جان کیسی مرا ایمان ہے قرآن شریف

ظلمتِ کفر مٹی، نیّرِ ایماں چمکا!
مطلعِ نور کا عنوان ہے قرآن شریف

آپ ہی کرتا ہے اپنی صفت کا اظہار
آپ ہی اپنا ثنا خوان ہے قرآنِ شریف

جس کے قبضہ میں ہے ہستی و عدم کی ہر شے
اُس شہنشاہ کا فرمان ہے قرآنِ شریف

کُتبِ پاک ہیں توریت و زبور و انجیل
اُن صحیفوں کی مگر جان ہے قرآنِ شریف

لوٹ سکتی ہی نہیں جس کی بہاروں کو خزاں
سرسبز ایسا گلستان ہے قرآنِ شریف

خود ہی مٹ جائینگے سب تیرے مٹانے والے
تیرا مِٹنا کہیں آسان ہے قرآنِ شریف؟

دہر کو مطلعِ انوار بنایا تو نے
ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے قرآنِ شریف

حجتہُ اللہ سے کبھی خالی رہیگی نہ زمیں
یہ ترا حکم یہ فرمان ہے قرآنِ شریف!

تجھ پہ دل صدقے، ترا حکم ہے سر آنکھوں پر
تجھ پہ قربان مری جان ہے قرآنِ شریف
آپ مٹ جائیں مگر تجھ کو نہ مٹنے دینگے
تجھ سے پیاری ہمیں کب جان ہے قرآنِ شریف؟
لاکھوں بیمار ہوئے تیری ہوا سے اچھے
سینکڑوں درد کا درمان ہے قرآنِ شریف
پھر وہی ہم ہوں، وہی تو ہو، وہی ہو کلثوم
پھر اسی بات کا ارمان ہے قرآنِ شریف
صرف کلثوم نہیں جو بھی ہے اہلِ ایمان
تجھ پہ سو جان سے قربان ہے قرآنِ شریف

(گ)

طالبِ درد ابھی دوا ابھی مانگ
نغمۂ سازِ بے صدا ابھی مانگ

حاصلِ بختِ نارسا بھی مانگ
مانگ ہاں موت کی دعا بھی مانگ

اے غمِ عشق مانگنے والے!
اک دلِ درد آشنا بھی مانگ

اے لبِ زخم اُن سے تیرِ ستم
ایک کے بعد دوسرا بھی مانگ

آج اے دل بقدرِ ضبطِ غم!
قسمتِ عشق کا لکھا بھی مانگ

عمر بھر کیں دُعائیں جینے کی
ایک دن موت کی دُعا بھی مانگ

اے پرستارِ رنگ و بوئے گُل
بے خزاں باغ مدّعا بھی مانگ

لذتِ شرحِ مدّعا کے لئے
جُراَتِ عرضِ مدّعا بھی مانگ

بہرِ تکمیلِ داستانِ دل
آج قاتل سے خون بہا بھی مانگ

ابتدا جس کی موت ہے اے دل
اُس محبّت کی انتہا بھی مانگ

دامنِ حُسن کی ہواؤں سے
نیند آجائے یہ دعا بھی مانگ

آج کلثوم چشمِ قاتل سے
عشق خوددار کا صلہ بھی مانگ

(ن)

ناکامیٔ دلِ کلثوم، کبھی تقدیر کو اپنی روئی نہیں
قربان میں اپنی ہمت کے، سب سوئے مگر یہ سوئی نہیں
اے صبحِ قیامت کیا کہنا، اس وعدۂ دید کے میں قرباں
وہ پردہ سے اب نکلے ہیں، جب دیکھنے والا کوئی نہیں

گریاں ہے ابھی تک چشمِ فلک، بلبل بھی برابر روتی ہے
بربادیٔ گلشن کے غم میں، شبنم ہی اکیلی روئی نہیں

تو اپنے کو خود پیارا ہے، یوں پیار تجھے سنسار سے ہے
ورنہ کسی کا چاہنے والا، دنیا بھر میں کوئی نہیں

ڈر ہے یہ مجھے کہ خونِ ناحق، رنگ نہ لائے محشر میں
خون میں ڈوبی آستین اپنی، اُس نے ابھی تک دھوئی نہیں

اے ناقۂ لیلیٰ پردہ نشیں، پھر نجد کے ذرّے رقص میں ہیں
منزلِ حسن تو سامنے ہے، کیا عشق کی منزل کوئی نہیں

جو ہونا تھا وہ ہو ہی چکا، اب کہنے سے کیا حاصل ہے؟
یہ وقت دعا ہے اے ناصح! یہ وقتِ نصیحت گوئی نہیں

خونِ عنادل دوڑ رہا ہے لالہ و گل کی رگ رگ میں
پھر بھی سارے باغ میں ہم آہنگ عنادل کوئی نہیں

وہ حسن کا منشا کیا سمجھے وہ رسمِ محبت کیا جانے؟
دولتِ صبر و سکونِ دل عشق میں جس نے کھوئی نہیں

منجدھار سے کشتی پار ہوئی، ساحل پہ جب آئی ڈوب گئی
تقدیر تو سب کی ساتھی تھی، تقدیر کا ساتھی کوئی نہیں

آتشِ رشک و حسد گل ہمہ تن رکھتے ہیں
ہم بھی داغوں کا وہ دل جیبِ چمن رکھتے ہیں
بھینی بھینی سی وہ خوشبوئے بدن رکھتے ہیں
یہ لطافت گُل و نسرین و سمن رکھتے ہیں
مُردہ دل بھی کہیں آسائشِ تن رکھتے ہیں؟
پیرہن وہ نہیں رکھتے جو کفن رکھتے ہیں
جس میں ہے نغمہ سرا بلبلِ خامہ اپنا
فکرِ رنگین کا وہ شاداب چمن رکھتے ہیں
آپ بھی دیکھئے کیا سیر ہے کیسی ہے بہار
داغِ دل ہم نہیں رکھتے ہیں چمن رکھتے ہیں

موت کو پاس سمجھتے ہیں تمہارے شیدا!
دوراندیش ہیں جو تکیئے میں کفن رکھتے ہیں
آمدِ فصلِ بہاری ہو مبارک کلثوم
آشیاں باغ میں مرغانِ چمن رکھتے ہیں

دستِ دُعا اُٹھا کر مانگیں تو ہیں دعائیں
اب یہ مرا مقدّر، وہ آئیں یا نہ آئیں
برسات کی یہ رُم جھم بھیگی ہوئی فضائیں
بجلی جو مسکرائی رونے لگی گھٹائیں
یہ مست مست بادل یہ جھومتی گھٹائیں!
میخانہ ہی یہ برسیں، میخانہ ہی پہ چھائیں
کیا ہو کہ بیخودی میں، اُن کہنی کہہ گئی ہوں!
اب بخش دیں وہ مجھکو، یا دار پر چڑھائیں

چھیڑا ہے سازِ دل نے پھر نغمۂ حقیقت
دُنیائے آب و گِل کی بہ ہم نہ ہوں فضائیں!
مرنا نہ میرا مرنا، جینا نہ میرا جینا
پھر کیوں گِنا رہا ہے کوئی مری خطائیں؟
تقدیر کی نگاہیں بدلی ہوئی جو دیکھیں
دِل سے کراہنے کی آنے لگی صدائیں
صہبائے گُل کا ساغر گلشن میں چل رہا ہے
بادل پیئے ہوئے ہیں بدمست ہیں گھٹائیں
جچتی نہیں نظر میں کلثوم اب یہ دُنیا
اے حسن و عشق آؤ نگری نئی بسائیں

اب حکم ہو تو ختم کروں اس سفر کو میں
طے کر چکی ہوں عرصۂ شام و سحر کو میں

دستِ خزاں میں دیکھ کے گلہائے تر کو میں
کر دوں نہ چاک دامنِ بادِ سحر کو میں

پردہ میں کائنات کے دھوکہ نہ دیجیئے
پہچانتی ہوں خوب فریبِ نظر کو میں

اے خضر! دل نے جب سے دیا ہے مجھے فریب
ڈرتی ہوں ساتھ رکھتے ہوئے راہبر کو میں

کعبہ نہیں، کلیسا نہیں، دیر بھی نہیں،
پھر کیا سمجھ رہی ہوں تری رہگذر کو میں؟

تعبیر اسکی حشر ہے کس کو خیال تھا؟
اتنا اہم نہ سمجھی تھی خوابِ سفر کو میں!

اب تک ہے میرے دِل میں وُہی حشرِ آرزو
بھولی نہیں ہوں آپ کی پہلی نظر کو میں

آئینہ سامنے ہے عروج و زوال کا
روتی ہوں دیکھ دیکھ کے شمعِ سحر کو میں

اللہ رے شوق دید کہ بیٹھی ہوں مطمئن
تہہ کر کے آج دامنِ شام و سحر کو میں

پست و بلند ایک ہیں میری نگاہ میں
پہچانتی ہوں عالمِ زیر و زبر کو میں

ٹھہری ہے لامکاں سے گذر کر مری نگاہ
اب تو بتا کہ کیا کہوں حدِّ نظر کو میں؟

منزل سے بے نیاز ہوں، جانتی ہوں اپنی راہ
رکھتی نہیں ہوں ساتھ کسی راہبر کو میں

وہ ہو صفائے قلب کہ جب چاہوں دیکھ لوں
اس آئینہ میں صورتِ آئینہ گر کو میں

کلثوم میرے دل کو کیا جس نے رشکِ طور
اچھی طرح سے جانتی ہوں اُس نظر کو میں

ہے جو حدیثِ حسن و عشق ہر ورقِ مجاز میں
پھر ہیں یہ کیسے تفرقے عالمِ امتیاز میں؟
آتشِ رشک سے جلا دیکھ سکا نہ کوہِ طور
راز و نیاز جب ہوئے ناز میں اور نیاز میں
چلنے لگی نسیمِ آہ، کھلنے لگے جگر کے داغ
پھول برس رہے ہیں آج، سینۂ غم نواز میں
میرا کمالِ بیخودی، پیرِ مغاں سے پوچھیے
مستِ مئے الست ہوں میکدۂ حجاز میں
عشق جو دامِ حسن میں، آ ہی گیا تو کیا ہوا؟
حسن بھی تو ازل سے ہے قیدِ حریمِ ناز میں
آگ لگے اس آہ میں، دل کو ہمارے پھونک کر
بن کے اثر سما گئی نالۂ جاں گداز میں
بندۂ بے نیاز نے عشق کو سرخ رو کیا
اپنا گلا کٹا دیا سجدۂ بے نیاز میں

خونِ وفائے عشق سے نزہتِ پائے یار ہے
فصلِ بہار آ گئی گلشنِ سوز و ساز میں

حسن ہو میرا دلنواز، حسن کی دلنواز میں
میرے اٹھائیں ناز وہ، اُس کے اٹھاؤں ناز میں

کون ہوں اور کیا ہوں میں کوئی نہ یہ سمجھ سکا
بزمِ جہاں میں آتے ہی بن گئی ایک راز میں

حُسن میں اور عشق میں کیسے نبھے گی اے خدا!
حُسن جفا شعار ہے اور وفا نواز میں

میری شبِ فراق میں کاش اجل ہو میہماں
پھر تو طلسمِ زندگی کھول دوں تیرا راز میں

خوگرِ غم جو ہو گئی اس میں مرا قصور کیا؟
آپ نے غم دئے مجھے، بن گئی غم نواز میں

آج وہ مسندِ ناز جو، دل میں ہوا ہے میہماں
ایسا یہ جگہ کو رشک ہے، بنتا حریمِ ناز میں

تجھ میں چھپی ہوئی ہوں میں مجھ میں چھپا ہوا ہے تو
ساز جو تو ہے نغمہ میں، نغمہ جو تو ہے ساز میں
بن کے مٹوں تو ہاں مٹوں، حسنِ شہِ حجاز پر
مِٹ کے اگر بنوں تو ہوں خاکِ رہِ حجاز میں
ہیچ مری نگاہ میں، دولتِ کائنات ہے
کیونکہ ازل کے دن سے ہوں بندۂ بے نیاز میں

دُکھ بھری اس زندگی کو رائیگاں سمجھی تھی میں
کامراں نکلی جسے ناکامراں سمجھی تھی میں
دیدنی تھیں عالمِ تخئیل کی رعنائیاں
جب کسی نامہرباں کو مہرباں سمجھی تھی میں
خار و گل ہی میں اُلجھ کر رہ گئی میری نظر
کب یہ ہم آہنگئ سود و زیاں سمجھی تھی میں

ذرہ ذرہ میں ہیں دل کے، رُوح بن کر جلوہ ریز
وہ نگاہیں جن کو اب تک بجلیاں سمجھی تھی میں
اب جو دیکھا خود مری ہستی ہی پردہ دار ہے
تابشِ تنویر ہی کو درمیاں سمجھی تھی میں
جب دھڑکتا تھا مرا دل کائنات تھی کائنات
عشق کا آغاز ہی بربادیاں سمجھی تھی میں
حاصلِ کون و مکاں ہے ربط و ضبطِ حسن و عشق
بے حسابِ دوستاں در دل کہاں سمجھی تھی میں
دیکھ کر دیر و حرم کلثوم راہِ عشق میں
ایک دھندلا سا نشانِ بے نشاں سمجھی تھی میں

٭

کیا نرالے حکم ہیں ایسا نہ ہو ویسا نہ ہو
صاف ہی کہہ دیجیے ہم پر کوئی شیدا نہ ہو

کیا بُرا ہے حکم میں ایسا نہ ہو ویسا نہ ہو
صاف ہی کہہ دیجئے ہم پر کوئی شیدا نہ ہو

وہ نظر میں روح میں دل میں ہیں ہر دم جلوہ گر
لاکھ گو پردا کریں ہم سے مگر پردا نہ ہو

چارہ گر کیا فائدہ، بیکار ہے چارہ گری
زخم وہ دِل پر لگا ہے جو کبھی اچھا نہ ہو

ہو سکے گی اِس طرح تسکین دلِ مجروح کو
اور سب کچھ ہو مگر اِک وعدۂ فردا نہ ہو

ماہ تک کے دل پہ میری بے کسی کا داغ ہے
دِل وہ کیسا ہے کہ جس پر کچھ اثر میرا نہ ہو

ظلم پر بھی کیجئے اب تو خموشی اختیار
جان پر بن جائے لیکن رازِ دِل افشا نہ ہو

کیا تجھے بھی کچھ خبر ہے، بے خبر، بے داد گر
کھو گئی کلثوم جس میں، وہ تری دُنیا نہ ہو

گِھرا ابرِ رحمت اور مئے گلگوں برستی ہے
بنا گھر گھر ہے میخانہ یہ متوالوں کی بستی ہے

جو پستی تھی بلندی ہے بلندی آج پستی ہے
یہ جو کچھ دیکھتے ہیں فریبِ خوابِ ہستی ہے

یہ دُنیائے محبّت بھی الٰہی کیسی بستی ہے؟
وہی ہشیار ہے جس کو میّسر فخرِ مستی ہے

نظر جس پر تری پڑ جائے وہ مستانہ ہو جائے
نشیلی آنکھ والے تیری آنکھوں میں وہ مستی ہے!

سرِ محفل کسی مجبور کی فریاد کیا کرتی؟
زبانِ شمع بھی یاں بات کرنے کو ترستی ہے

امیں اپنا بنا کے تُو نے میری آبرو رکھ لی
نہیں تو ایک مشتِ خاک کی بھی کوئی ہستی ہے

افسانہ بن گئیں آخر وفائیں مرنے والوں کی
ہے جس کا ذکر گھر گھر آج، یہ وہ کارِ ہستی ہے

مرا ہونا نہ ہونا کیا، مرا بننا بگڑنا کیا؟
حجابِ نیستی ہی میں تو پنہاں رازِ ہستی ہے
سبق آموزِ عبرت ہے فسانہ مرنے والوں کا
نظر کے سامنے اب آپ کے انجامِ ہستی ہے
اسے دیوانگانِ عشق ہی کلثوم سمجھے ہیں
کہ ہشیاری کسے کہتے ہیں کس کا نام مستی ہے؟

نہ ملی پناہ دل کو ترے حسنِ بے اماں سے
مری حسرتوں کو رو دے کوئی کہہ دے نوحہ خواں سے
کوئی کیا امید رکھے ترے گلشنِ جہاں سے
کہ نکل رہی ہے بجلی مری شاخِ آشیاں سے
مری کشتِ آرزو پر جو پڑیں تیری نگاہیں
تو بہار پھوٹ نکلے ابھی دامنِ خزاں سے

کوئی بجلیوں سے کہدے، یوں ہی پھونک دیں مجھے بھی
کہ بنی ہوئی ہوں میں بھی اُسی خاکِ آشیاں سے

ترے دیر اور حرم تو ہیں نشانِ راہِ منزل
تری منزلِ حقیقت ابھی دُور ہے یہاں سے

جو سمجھ کے پا شکستہ مجھے کارواں نے چھوڑا
تو لپٹ لپٹ کے روئی میں غبارِ کارواں سے

ترے ناوکِ نظر نے مرے دل سے کیا کہا ہے؟
کہ مِلا رہا ہے آنکھیں وہ حیاتِ جاوداں سے

جو مچل رہے ہیں جلوے، مری چشمِ حق نُما میں
ابھی دار کے ہوں سامان کہیں کہدوں جو زبان سے

ترے حُسن کی حقیقت مرے عشق میں ہے مُضمر
مرا دل بھی کم نہیں ہے تری بزمِ لامکاں سے

تیرے در کی ہے بھکارن، تیرے در پہ ہے سوالی
تری شاعرہ کو نسبت ہے ترے ہی آستاں سے

یہ سوز و سازِ حسن و عشق کا افسانہ ہو جائے
ٹپک کر شمع کا ہر اشک اگر پروانہ ہو جائے
فقط اِس آسرے پر رات کاٹی شمع نے رو کر
کہ شاید صبح تک زندہ مرا پروانہ ہو جائے

کمالِ مے پرستانِ ازل کا پوچھنا کیا ہے؟
نظر جس سمت اُٹھ جائے اُدھر میخانہ ہو جائے
بہت آنکھیں لڑانے وادیٔ ایمن میں جانا ہے
مزہ ہو ذوقِ نظارہ اگر دیوانہ ہو جائے

لرزتے ہیں قدم ہر گام پر راہِ محبت میں
مدد اس وقت کچھ اے ہمتِ مردانہ ہو جائے!

یہ چشمِ مستِ ساقی کی شگوفہ کاریاں دیکھو
نظر جس پھول پر پڑ جائے وہ پیمانہ ہو جائے

نظامِ بزمِ ساقیٔ ازل اک دم میں برہم ہو
مری توبہ اگر قفلِ درِ میخانہ ہو جائے

دلِ صد چاک کے ٹکڑے تری محفل میں لائی ہوں
زہے قسمت اگر منظور یہ نذرانہ ہو جائے

چلا ہے قافلہ سجدوں کا شوقِ جبہ سائی میں
الٰہی آج سر وقفِ درِ جانانہ ہو جائے

ہماری جبہ سائی پھر ہماری جبہ سائی ہے
جسے بت خانہ سمجھے ہیں درِ جانانہ ہو جائے

میں دامن پھاڑ کر چاکِ گریباں کو چھپاتی ہوں
یہ کھٹکا ہے کہیں رازِ جنوں افشا نہ ہو جائے

میں صدقے لاکھ جاں سے اس کی قسمت کے مقدر پر
میسر جس کو جیتے جی درِ جانانہ ہو جائے

ترا نقشِ قدم آغوش میں لے لے جو سجدوں کو
تو پھر ہر سجدہ میرا سجدۂ شکرانہ ہوجائے
بُلانے روشنی آئی مجھے شمعِ حقیقت کی
مرے دِل کا ہر اک ذرّہ اگر پروانہ ہوجائے
چمک کر دشتِ ایمن کے ہر اک ذرّہ کو چمکا دے
تماشہ طور پر پھر جلوۂ جانانہ ہوجائے
دلِ وارفتہ کی بے اختیاری دیکھ اے کلثوم
جو تم دیوانہ کہہ دو تو ابھی دیوانہ ہوجائے

کعبہ بنائیے نہ کلیسا بنائیے
دِل کو تصوّرات کی دُنیا بنائیے
تصویرِ حُسن کھینچئے مجنوں کے بھیس میں
آئینۂ خیال کو لیلا بنائیے

حرص و ہوائے دارِ فنا سے غرض نہیں
دُنیا سے کھوئیے مجھے اپنا بنائیے
دیوانگیٔ عشق کو رُسوا نہ کیجئے
لیلیٰ کو قیس، قیس کو لیلا بنائیے
ہے فطرتِ نظر کا تقاضا یہ بار بار
موسیٰؑ بنائیے، مجھے موسیٰؑ بنائیے
کیوں نظمِ حُسن و عشق کو تبدیل کر دیا؟
کس نے کہا تھا قیس کو لیلےٰ بنائیے؟
پہلے نظر کو طاقتِ نظّارہ دیجئے۔
پھر اختیار ہے، مجھے موسیٰؑ بنائیے
صدق و صفا کے سانچے میں پھر دل کو ڈھال کر
مہر و وفا کا گوہرِ یکتا بنائیے
جل کر بھی سوزِ عشق میں اُف تک نہ کیجئے
دل کو سکون و ضبط کا پُتلا بنائیے

کلثوم زندگی کا گذرنا محال ہے
دُنیا کو اک حسین تماشا بنائیے

اِک ایک دل کا داغ فروزاں کئے ہوئے
بیٹھی ہوں شامِ ہجر چراغاں کئے ہوئے
اے عقل دُور باش کہ ہے منزلِ شہود!
آئینۂ خیال کو حیران کئے ہُوئے۔
ٹھہرا ہے دردِ عشق ہی جب مقصدِ حیات
پھر کیوں ہے مرے دِل کو پریشاں کئے ہوئے؟
آ اے خدنگِ ناز کہ ہیں زخمہائے دِل!
سامانِ صد بہارِ گلستاں کئے ہُوئے۔
مِٹتی ہے آج عہدِ گلستاں کی یادگار
پھر شاخِ گُل ہے برق کو مہماں کئے ہُوئے

دل ہے نہ اب جگر ہے سکوں ہے نہ اضطراب
ہے عشق مجھ کو بے سروساماں کئے ہوئے
کلثوم کا ذرا یہ شعورِ جنوں تو دیکھ
تارِ نفس ہے تارِ گریباں کئے ہوئے

تعمیرِ کائنات کے ساماں لئے ہوئے
آئی ہوں رازِ عالمِ امکاں لئے ہوئے
جاؤں کدھر میں کشتیٔ ارماں لئے ہوئے
ہر ساحلِ مراد ہے طوفاں لئے ہوئے
جلوہ نظر فریب ہے دنیا ہے دل فریب
ہر آئینہ ہے دیدۂ حیراں لئے ہوئے

خود بیں تو مرے شیوۂ تسلیم پر نہ جا
بیٹھی ہوں رازِ عالمِ امکاں لئے ہوئے
ہر قطرہ ہے تلاطمِ دریا کی یادگار
ہر ذرّہ ہے نمودِ بیاباں لئے ہوئے
شانِ جنوں تو دیکھئے اپنے سروں پہ آج
پھرتے ہیں مجھ کو خارِ بیاباں لئے ہوئے
اللہ رے دُعائے لبِ زخم کا اثر
"وہ خود ہی آ رہے ہیں نمکداں لئے ہوئے"!
پُر داغ میرا دل نہ سہی بزمِ نشاط میں
آیا ہزار شمعِ فروزاں لئے ہوئے
او بے نیاز دیکھ تری بزمِ ناز سے
جاتی ہوں عشقِ بے سرو ساماں لئے ہوئے
کلثوم کس وہ گذرے ہیں میرے قریب سے
آنکھوں میں اک شرارتِ پنہاں لئے ہوئے

جو غمِ عشق کا نہ مزا جانے
لذّتِ زندگی وہ کیا جانے؟
پردۂ غیرت اُٹھا کر دیکھ
تُو ہی تُو ہوگا پھر خدا جانے
حاصلِ بختِ نارسا سُن لے۔
تلخیٔ زیست کیا ہے کیا جانے؟
مانگتا ہے دُعائیں مرنے کی
دل کو کیا ہوگیا خدا جانے؟
اے غمِ دردِ عشق زندہ باد!
زندگی کو مِری بلا جانے
وہ تُمہیں سے تُمہیں کو مانگے ہے
جو دُعائیں نہ مانگنا جانے

سُن کے افسانۂ کلیم و طور
دِل نے کیوں آہ کی، خدا جانے
محو تھی یادِ یار میں کلثوم
موت کب آ گئی خدا جانے؟

خزاں رسیدہ ہُوں اِتنا کرم بہار کرے
کہ میری کشتِ تمنّا کو لالہ زار کرے
نہ ہوگی عشق کے پائے ثبات میں لغزش
چڑھائے دار پہ یا کوئی سنگسار کرے
کسے خبر تھی کہ دے گا فریب دِل سا رفیق؟
غلط ہے کوئی کسی کا جو اعتبار کرے!
فقط نگاہ کا پردہ ہے ورنہ حُسنِ یار
کب آشکار نہیں تھا جو آشکار کرے؟

کہو نظر سے بدل دے نظامِ عالمِ درد !
نہ میری طرح زمانے کو بے قرار کرے!

رُلانے شمع کو آئے نہ کوئی پروانہ
اگر وہ حُسن کو اپنے نہ آشکار کرے

فدا زمانہ ہے اِس طرح ناخُدائی پر
کہ آپ ڈوب کے بیڑے کو اپنے پار کرے

نہ آؤ پردہ سے باہر مگر قصور معاف
وفورِ شوق سے کہہ دو نہ بے قرار کرے

وہ بھی تو شرارے سے کم نہیں کلثوم
جو مُسکرا کے گلستاں کو شعلہ بار کرے

حُسن جس رنگ میں بھی جلوہ نُما ہوتا ہے
بندۂ عشق کی نظروں میں خُدا ہوتا ہے

سجدۂ عشق کو کیا کہیے کہ کیا ہوتا ہے
پھر وہ سجدہ جو تہِ تیغ ادا ہوتا ہے
جل بجھا سوزِ محبت سے ہر اک پروانہ
سوز ہی مسلکِ اربابِ وفا ہوتا ہے
دل کے ہوتے ہوئے کیوں طور پہ ہو بارشِ حسن
میں یہ کیا دیکھتی ہوں ہائے یہ کیا ہوتا ہے!
عشق یوں سجدۂ تعظیم پہ مجبور رہا
جلوۂ یار کے پردے میں خدا ہوتا ہے
رنگ لا کر ہی رہی فرصتِ خونباریِ چشم
اب جو اشک ہے وہ فردوس نما ہوتا ہے
آپ ہی آپ نظر آئے حریمِ دل میں۔
یہ تصور میں خدا جانے کیا ہوتا ہے۔
شوق آزاد جو ہے توڑ کے قفس کو اڑ جا
سر کو بے فائدہ ٹکرانے سے کیا ہوتا ہے

بادشاہی کا نتیجہ ہے گدائی کلثوم
کثرتِ زُہد کا انجام ریا ہوتا ہے

بے کسوں کی آہ بھی وہ آہ پُر تاثیر ہے
آپ تو کیا آبدیدہ آپ کی تصویر ہے!
عاشقِ ناشاد وہ لذّتِ کشِ تعزیر ہے
جو نہ کی تھی کہہ دیا "یہ بھی مری تقصیر ہے"
حسرتیں سجدوں پہ سجدے کر رہی ہیں دل میں آج
جیسے آغوشِ تصوّر میں تری تصویر ہے
درد وہ کیا درد جو شرمندۂ درماں ہوا
آہ وہ کیا آہ جو منّت کشِ تاثیر ہے
دِل کے ارمانوں سے ہے آباد دُنیائے خیال
یا جہانِ آرزو اک عالمِ تصویر ہے

میرے مولیٰ کیوں ہے پھر میری خطاؤں پر نظر؟
بزمِ ہستی میں مرا آنا ہی جب تقصیر ہے

چل کے اب کعبہ میں دیکھیں تیرے جلووں کی بہار
دیر تو تیرے کرم سے عالم تصویر ہے

ہوشیار اے دامنِ عقل و خرد اب ہوشیار
آج پھر دستِ جنوں میرا گریباں گیر ہے

اب یہاں تک رنگ لائی ہے مری دیوانگی
ٹکڑے ٹکڑے ہر قدم پر حلقۂ زنجیر ہے

آج تو تیری جبیں ہے اور اُن کا آستاں
اوج پر کلثوم تیرا نیّرِ تقدیر ہے

رازِ کونین کی تصویر دلِ زار میں ہے
کچھ نہ ہونے پہ بھی سب کچھ مرے غمخوار میں ہے

جس کے دم سے تھی مرے دل کی اُمنگوں میں بہار
اب وُہی خونِ جگر دیدۂ خونبار میں ہے

آپ کے ہجر میں مر مر کے جیا کرتا ہے
سیرِ ہستیٔ و عدم میرے دلِ زار میں ہے

مر گئی فصلِ خزاں دیکھ کے بلبل شاید
ایک کمھلایا ہُوا پھول جو منقار میں ہے

خود تو پردہ میں ہے لیکن ہے دو عالم پہ نظر
اللہ اللہ یہ وسعت نگہ یار میں ہے!

ہو نہ ہو کسی مہجور کی یادوں کا نشان
نقش دُھندلا سا کوئی چادرِ انوار میں ہے

ختم ہو سکتا نہیں سیلِ حوادث کا وفور
ایک رخنہ سا ابھی وقت کی دیوار میں ہے

جلوۂ طور کا ہو جاتا ہے دھوکا کلثوم
کس کے چہرے کی جھلک رونق گلزار میں ہے؟

عجب دُنیا یہ دنیا ہے عجب دُنیا کا عالم ہے
جو کل نغمہ بہ لب تھا آج وہ مصروفِ ماتم ہے
سکوں ملتا ہے کس کو باغ ہستی کی ہواؤں میں
گریباں چاک گل ہے اور وقف گریہ شبنم ہے
تعجّب ہے مجھے وہ کیوں چھپے بیٹھے ہیں پردے میں
ازل سے جن کا مشتاق اور شناسا سارا عالم ہے
جو بے پردہ ہو جائیں تو اِک محشر کا عالم ہو
کہ جب اس پردہ داری پر تصدّق سارا عالم ہے
عجب انداز بخشا ہے نگاہوں کے تصادم نے
وہی حالت تمہاری ہے وہی اس دل کا عالم ہے
ہزاروں انقلاب آئے نہ بدلی عشق کی فطرت
محبت مستقل غم تھا محبت مستقل غم ہے

سناتی ہوں جسے کلثوم دل کو تھام لیتا ہے
مرا افسانۂ غم بھی عجیب افسانۂ غم ہے

کیسی دنیا کس کو عُقبےٰ چاہیئے؟
آپ مِل جائیں تو پھر کیا چاہیئے!
تکتے تکتے آنکھیں پتھرانے لگیں
اب تمہیں پردا اُٹھانا چاہیئے
جلوہ فرما ہو کے یا شمس الضحیٰ!
دہر کی ظُلمت مٹانا چاہیئے
یار سے ملنا اگر منظور ہے
اپنی ہستی کو مٹانا چاہیئے
میں پہنچ جاؤں دیارِ دوست تک
جذبِ دل اتنا سہارا چاہیئے!

دل بھی حاضر، جان بھی موجود ہے
کہئے کہئے آپ کو کیا چاہئے؟
خُلد سے مطلب نہ جنّت سے غرض
کیا کہوں زاہد مجھے کیا چاہئے؟
جس کے دل میں رہتے ہو آٹھوں پہر
کیا اُسی سے تم کو پردہ چاہئے؟
ساقیِٔ ناز آفریں رندوں کی پیاس
آتشِ تر سے بجھانا چاہئے
مر چکی کلثوم تم پر مر چکی
ہو چکا جو کچھ کہ ہونا چاہئے

کرو تم لاکھ تدبیریں تو کیا ہے
وہی ہوگا جو قسمت کا لکھا ہے

عجب کچھ سوز اس نَے میں بھرا ہے
یہ کس ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے
دلِ مشتاق کی جرأت تو دیکھو
تمہارے دیکھنے کا حوصلہ ہے
وہ مل جائیں تو پھر کیا جانیں کیا ہو؟
تصوّر ہی میں جب اتنا مزا ہے
کہوں کلثوم کیا فرقت کا عالم!
دلِ اپنا اِن دنوں ماتم سرا ہے

کھنچ کھنچ کے دل میں رہ گئی تصویر یار کی
بن بن کے کیسی بگڑی ہے صورت قرار کی
اپنی یہی بساط تھی جو نذرِ یار کی
قرباں پہلے دل کیا پھر جاں نثار کی

آنے سے جس کے دو دِن بڑھیں بیقراریاں
زندہ مثال ہے وہ دل بے قرار کی!
پالا کسی نے اور کسی نے مِٹا دیا
مِٹی خراب ہے دِل امیّد وار کی
موسیٰؑ کو جس کے جلوے نے بیہوش کر دیا
قرآن کی قسم وہی صورت تھی یار کی
بے چین، بے قرار، پریشان، مضطرب
اِتنے خطاب پائے ہیں الفت میں یار کی
کلثوم جس میں رضیہ و خوگر تھیں سربلند
تو بھی تو خاک ہے اُسی اجڑے دیار کی

کون آگاہ نہیں شمع سے پروانے سے؟
بدظنی کیوں ہے اُنہیں پھر مرے افسانے سے؟

شمع سے پوچھئے یا پوچھئے پروانے سے
کیا جلانے سے ملا؟ کیا رہا جل جانے سے؟

لاج رکھ لی میرے داتا نے میری رندی کی
مئے ٹپکنے لگی انگور کے ہر دانے سے

کعبہ سے روٹھ کے بُت آئے صنم خانے میں
اب کہاں روٹھ کے جائیں گے صنم خانے سے؟

میکدہ سے تیرے میخوار کدھر کو آئیں؟
تو نے کعبہ سے پکارا کہ صنم خانے سے؟

ہم تو چکھنے بھی نہ پائے تھے ابھی اے ساقی!
وائے تقدیر نکلنا پڑا مے خانے سے

پھر نہ ہو جائیں کہیں دار و رسن کے ساماں
آپ للہ نہ اُلجھیں کسی دیوانے سے

حکم یہ عام ہے کلثوم مرے ساقی کا
کوئی محروم نہ رہ جائے مرے میخانے سے

دولت اُنہیں دے منعم طالب ہیں جو دولت کے
ہم لطف کے سائل ہیں، بندے ہیں محبت کے

جب آنکھوں میں آ بیٹھے پلکوں کی پڑی چلمن
اے شرم کے دِلدادہ! صدقے تیری غیرت کے

ہے ناز مجھے اپنی برگشتہ نصیبی پر
چکر میں فلک بھی ہے آ گے مری قسمت کے

ہر آن ہر اک لحظہ فریاد ہے ہونٹوں پر
کیا جانیں کہاں گم ہیں دن لطف و مسرّت کے

کلثوم ان آہوں کو دُنیا نے غلط سمجھا
دراصل یہ جھونکے ہیں دامانِ محبّت کے

رشتہ پُرانا عرش نشینوں سے جوڑیئے
بجلی کے ساتھ کھیلئے تاروں کو توڑیئے

سجدے اگر نہیں ہُوئے مقبولِ بارگاہ
حاصل نہ ہو گا کچھ بھی اگر سر بھی پھوڑیئے

دل کو غریب جان کے دُھتکار دیئے نہیں
سائل کو اپنے در سے نہ مایوس موڑیئے

ہے ہمنوائے صُور، صدائے شکستِ دل
لِلّٰہ میرے شیشۂ دل کو نہ توڑیئے

طوفانِ غم سے کھیلئے کشتی بڑھایئے
موجوں کی طرح سر کو نہ ساحل سے پھوڑیئے

سعیِ عمل کو شاہدِ مقصد بنائیے
قسمت کے شکوہ اور شکایت کو چھوڑیئے

کلثوم زندگی بھی ہے شرحِ شکستِ ذریعت
آئینۂ حیات کو ہنس ہنس کے توڑیئے

جب یہ سوچا کہ ماسوا کیا ہے؟
یہ نہ سمجھا، یہ سوچنا کیا ہے؟
شدّتِ غم سے یہ بھی ہوش نہیں
درد کیا چیز ہے دوا کیا ہے؟
شکل سائل سوال ہوتی ہے
پوچھتے کیا ہو مدّعا کیا ہے؟
دل جو رو دیا تو موت ہنسنے لگی
اے محبّت! یہ ماجرا کیا ہے؟
اُلجھنیں اور بڑھ گئیں دل کی
حُسنِ برہم کا مدّعا کیا ہے؟
حشر پر منحصر ہو جس کی اُمید
اُس سے پوچھو کہ آسرا کیا ہے؟
دولت دوجہان کو ٹھکرا دے
بندۂ عشق دیکھتا کیا ہے؟

طُور سے پوچھ اہلِ طُور سے پُوچھ
طالبِ دید کی سزا کیا ہے؟
زندگی اِک فریب ہے کلثوم
نا سمجھ یہ سمجھ رہا گیا ہے؟

علاقہ کیا مرے دل کو فریبِ رنگِ محفل سے
باندازِ خلیلانہ چلی کترا کے باطل سے
چُرائے آنکھ، منہ پھیرے نزاعِ حق و باطل سے
دبے پاؤں گزر جاتی ہُوں اس پُر خار منزل سے
وہ موجیں جن کی طوفاں خیزیاں اک فتنۂ غم ہیں
فنا کے گھاٹ اُتر جاتی ہیں وہ ٹکرا کے ساحل سے
کہاں جاتی ہو اے موجو! ذلیل و خوار ہونے کو؟
جو ہو پروردۂ طوفاں اُسے کیا کام ساحل سے؟

بدلتے ہی نظامِ عشق، نظمِ حُسن بھی بدلا
گریباں چاک وہ نکلا تڑپ کر کوئی محمل سے
چلا جاتا ہے اپنی دُھن میں دیوانہ تو جانے دیں
جنابِ خضر کیوں اُلجھیں کسی سرگشتہ منزل سے
دلِ دیوانہ کی بے اختیاری دیکھ اے کلثوم
کہ تھوڑی دور جا کر پھر پلٹ آتا ہے منزل سے

یہ کرم بھی تیرا قیامت ہے
دوسری یہ ستم کی صورت ہے۔
کیوں نہ ہوں گرم میرے اشکِ رواں
عشق کی سینے میں حرارت ہے
کہیں ملتا نہیں نشانِ قدم
اللہ اللہ یہ نزاکت ہے۔

ہر عمل میرا رہین کوشش ناکام ہے
گردشِ تقدیر میری مفت میں بدنام ہے

خاموشی چھائی ہوئی ہے موت کا ہنگام ہے
میری صبحِ زندگی کی آخری یہ شام ہے

صبح جب تک صبح ہے، شام جبتک شام ہے
لفظ بے معنی یہ شورِ گردشِ ایام ہے

خود پرستی پر مری کیوں طعنہ زن ہوتا ہے تو!
خود پرستی ہی کا واعظ حق پرستی نام ہے

بے خودی میں کر رہی ہوں کوئے جاناں کے طواف
میری عریانی ہی میرے واسطے احرام ہے

عفو کے قابل نہ ٹھہریں عشق کی مجبوریاں
دار پر دی جان جس نے آج تک بدنام ہے

مجھ پہ کتنا ہی ستم ہو مجھ پر کتنی ہی جفا
دل میں تیری یاد ہے لب پر ترا ہی نام ہے

جان دیدی یہ کہہ کے عاشق نے
تو نے دی ہے، تیری امانت ہے

رازِ دل میری بیقراری سے
ہو گیا منکشف ندامت ہے

دیر ہو یا حرم ہو کچھ بھی ہو
میں تجھے دیکھ لوں یہ حسرت ہے

مجھ سے شاید ہے تیرے دل میں غبار
کچھ مکدّر مری طبیعت ہے

میرا حالِ تباہ سُن لیجئے
یہ شکایت نہیں حقیقت ہے

ظلم ہو یا کرم ہو اے کلثوم
وہ جو کچھ بھی کریں غنیمت ہے

آج یوں کلثوم ہے نغمہ طرازِ معرفت
لوگ کہتے ہیں کہ ایسی شاعری الہام ہے

سُوئے دل جو نگاہ ہوتی ہے
بیخدا بے پناہ ہوتی ہے
کون شاہد ہے غم کے ماروں کا؟
ہاں شبِ غم گواہ ہوتی ہے
حُسن کی معرفت نہیں جس کو
اُس کی دنیا سیاہ ہوتی ہے
خُود بخود جھکتی ہے جہاں پہ جبیں
وہ تیری بارگاہ ہوتی ہے
میں جہاں سر جھکا کے نازاں ہُوں
وہ تیری بارگاہ ہوتی ہے

میری جانب کبھی کبھی ان کی
اتفاقاً نگاہ ہوتی ہے
زندگی کو نہ دے کوئی الزام
زندگی بے گناہ ہوتی ہے
حُسن کی ہر اک جھلک میں لئے کلثوم
صورت اشتباہ ہوتی ہے
ڈگمگاتا ہے دل جہاں کلثوم
وہ محبّت کی راہ ہوتی ہے

جنوں کا ساتھ دینا میری خودداری سے مشکل ہے
بحمداللہ اپنے دل پہ قابو مجھ کو حاصل ہے
تلوّن سے تمہارے روزگارِ سفلہ پرور بھی
خدا کی شان میرے حال پہ ہنسنے کے قابل ہے

تمہارے ظلم بیجا سے کچھ ایسا تنگ آیا ہے
دلِ ایذا طلب بھی اب خودکشی کرنے پہ مائل ہے
لئے جاتی ہوں کشتی آپ ہی گرداب کی جانب
مری آنکھوں میں ہر موجِ بلا آغوشِ ساحل ہے
سفینہ میرے دل کا ہے رواں بحرِ محبّت میں
تلاطم کا یہ عالم ہے کہ ہر گرداب ساحل ہے
نگاہیں مضطرب، خاطر پریشاں، غمزدہ کلثوم
اگر جینا اسی کا نام ہے تو سخت مشکل ہے

سفینہ دل کا ہے اور قلزمِ محبّت ہے
یہ وہ مقام ہے، ہر رنج جس میں راحت ہے،
خموش رہ نہیں سکتی کہ بات جاتی ہے
زباں جو کھولوں تو افشائے رازِ اُلفت ہے

وہ اضطرابِ فدا جن پہ گردشِ افلاک
وہ شامِ ہجر کہ جس کی سحر قیامت ہے
جفائے حسن اگر صبر آزما ہے تو کیا؟
ازل سے خوگرِ غم بندۂ محبّت ہے
ہر ایک صاحبِ عقل و خرد ہے دیوانہ
عجیب عشق کے مذہب کی رسم و ملّت ہے
تھپک تھپک کے سُلایا اجل نے شامِ الم
کھُلی جو آنکھ تو دیکھا بپا قیامت ہے
سوئے حرم کبھی جاتی ہوں سوئے دیر کبھی
تلاشِ دوست میں دیوانوں کی سی حالت ہے
وصال موت ہے اور ہجر زندگی کلثوم
خرد سے دور یہ فرمودۂ محبّت ہے

یار کا جلوہ ہر اک گُل میں نظر آیا مجھے
عالمِ دل شورِ بلبل میں نظر آیا مجھے

مجھ کو ہر ذرّے پہ دھوکا ہو گیا خورشید کا
جز میں جو دیکھا وُہی کُل میں نظر آیا مجھے

عالمِ مستی میں بیگانہ یگانہ ہو گیا
کیا تماشہ نشۂ مُل میں نظر آیا مجھے

جانے کس کا فیض ہے میرا دلِ شوریدہ خو
حلقۂ صبر و تحمّل میں نظر آیا مجھے

اس کو اے کلثوم کہتے ہیں نظر کی طُرفگی
اِک سکونِ مستقل غُل میں نظر آیا مجھے

تخریب چاہئے کبھی تعمیر چاہئے
ہاں خوابِ زندگی کی یہ تعمیر چاہئے

کب بس کائناتِ دہر میں رہنا ہے دمبدم
گھر کیا بنائیں قبر کی تعمیر چاہیئے

آئینہ اپنا دیدۂ حیراں جو بن گیا
پُتلی کے بدلے یار کی تصویر چاہیئے

دیوانگی کی قید ہے پابندیٔ جنوں
رہنے کو اپنے خانۂ زنجیر چاہیئے

اس رشکِ مہ کو خواب میں دیکھا تو ہی مگر
یوسفؑ سے ایسے خواب کی تعبیر چاہیئے

منظور خاکسار کو اپنا فروغ ہے
کلثوم ہم کو خاک سے اکسیر چاہیئے

تائیدِ ایزدی میری حاجت کیا تھی
مشکل میں دستگیر ید اللہ کا ہاتھ ہے

طوفِ حرم ہے ہاتھ میں اس بت کا ہاتھ ہے

راہِ خدا میں واہ عجب سنگ ساتھ ہے!

کانوں میں آ رہی ہے لبِ گور سے صدا

بس چھوڑ سب کو کون یہاں کس کے ساتھ ہے؟

صدقے ہیں پنجتن کے ہے اللہ دستگیر

گر پانچ انگلیاں نہ ہوں بدزیب ہاتھ ہے

لاریب کائنات پہ حاوی وہی ہوا

جس ہاتھ میں خدائے دو عالم کا ہاتھ ہے

کلثوم تجھ سے وہ بھی نہیں ہیں کبھی جدا!

اُن کا بھی ذکر تیرے فسانے کے ساتھ ہے

دِل لیتے نہیں میرا، دِلدار ہیں کیسے

معلوم نہیں ان کا نہیں دِلدار ہیں کیسے

کہتے ہیں مریضوں کو ترے دیکھ کے عیسیٰؑ
مرتے ہیں نہ جیتے ہیں یہ بیمار ہیں کیسے؟
موسیٰؑ تو ہوئے سیر پر اِن کو نہیں سیری
اے جان! ترے طالبِ دیدار ہیں کیسے؟
سمجھاؤ کوئی حضرتِ ناصح کو تو آ کر
دیوانوں سے لڑتے ہیں یہ ہوشیار ہیں کیسے
جنّت کی فضاؤں میں بھی جلتی ہے طبیعت
اے عشق ترے بھیس میں آزار ہیں کیسے؟
نفرت بھی نہیں ہے محبّت بھی نہیں ہے
میں سمجھی نہیں آپ طلبگار ہیں کیسے!
مِل جائے اگر مفت تو چھوتے بھی نہیں ہیں
نادان ترے دل کے خریدار ہیں کیسے
کلثوم ہماری غزلِ تازہ سُنا کر
پوچھے کوئی اُن سے کہ یہ اشعار ہیں کیسے؟

وہ کون ہے اب جس سے ملے داد ہماری؟
سنتے ہی نہیں آپ جو فریاد ہماری

جب یاد کیا ہے تو بُرے طور سے ہمکو
اچھا ہوا تم بھول گئے یاد ہماری

جاتے ہیں یہ کہتے ہوئے دنیا سے مسافر
اُجڑی ہوئی بستی ہوئی آباد ہماری

چہرے پہ کسی طرح کوئی رنگ نہ ٹھہرا
مِٹ مِٹ گیا تصویر پہ بہزاد ہماری

جو ہم کو مٹاتے ہیں کوئی کہدے یہ اُن سے
اُفتادۂ عالم ہے یہ اُفتاد ہماری

محافظ ہر انساں کا ہر آن تو ہے

خداوند عالم نگہبان تو ہے

شرف نطق سے آدمی کو ملا ہے

یہ اک بات سن رکھ جو انسان تو ہے

میں آگاہ تجھ سے میں واقف ہوں تجھ سے

نہ بیگانہ میں ہوں نہ انجان تو ہے

ہوئی جس سے دین محمدؐ کی سبقت

علی ولی وہ مسلمان تو ہے!

یہ کیا ذکر چھیڑا یہ کیا بات کہہ دی؟

پریشان میں ہوں، پریشان تو ہے

میں کلثوم ہوں تیرے در کی بھکارن

مجھے دیکھ کر یوں ہی حیران تو ہے!

لیتا ہے مگر جب کوئی نامِ حسینؑ
ہم اہلِ خرابات بھی جھک جاتے ہیں

جوشؔ

سلام (۱)

راکبِ دوشِ محمدؐ، زینتِ بیت الحرام
حیدرِ صفدر علیؑ شاہنشاہِ عالی مقام

ہے تصور دل میں اب مولا علیؑ کا صبح و شام
کھینچ لی میں نے اس آئینہ پہ تصویرِ دوام

آ رہا ہے کون ایسا خاصۂ ربُ الانام
اے مہِ نو ہو رہے ہیں کس کو جھک جھک کر سلام

مژدہ باد اے مومنو قبلہ نما پیدا ہوا
ہو مبارک زچہ خانہ بن گیا بیتُ الحرام

کعبہ میں نازل ہوا قرآنِ ناطق عرش سے
کعبہ میں پیدا ہوا وہ خاصۂ ربُ الانام

بو الحسنؑ زوجِ بتولؑ اور خاص دامادِ رسولؐ
یعنی سلطانِ عرب، شاہِ نجف، کُل کا امام

قبلہ و کعبہ دو عالم کے رسول اللہؐ ہیں

ہے مگر قبلہ نما ذاتِ علیؑ بھی لا کلام

ایک جا ہے مشرق و مغرب مرے خورشید کا

مولد و مشہد مرے مولاؑ کا ہے بیتُ الحرام

تشنگانِ معرفت کیوں اس قدر بے تابیاں؟

حوضِ کوثر پر ملے گا بادۂ کوثر کا جام

مشکلیں حل ہوں مدد کو غیب سے آئیں حضور

دیکھ لے، لیکر علیِؑ مرتضیٰ کا کوئی نام

روزِ روشن مومنوں کا بن گیا روزِ سیاہ

چھپ گیا مہرِ امامت ہوگئی دنیا میں شام

اپنے آقا سے بچھڑنے کی یہی تاریخ ہے

حشر کا دن ہے ہمیں اکیسویں ماہِ صیام

سجدہ گاہِ مومنیں ہر ذرۂ خاکِ نجف

روز و شب روحِ علیؑ صد صلواۃ و صد سلام

دل میں ہے کلثوم روشن نامِ مولائے علیؑ
ہے میر سارا اثاثہ ایک یہ نقشِ دوام

سلام (۲)

امیر المومنین حیدر لقب شیرِ غضنفر ہے
نصیری کا خدا، نامِ خدا - جانِ پیمبرؐ ہے
یہ مانا ہم نے بے حد تابشِ خورشیدِ محشر ہے
مگر کیا غم کہ سر پر سایۂ دامانِ حیدرؑ ہے
نجف کی خاک بھی اکسیر سے بہتر ہے برتر ہے
گدا مولا علیؑ کا بادشاہِ ہفت کشور ہے
قناعت اپنا شیوہ ہے زباں پر شکرِ داور ہے
غنیمت ہے بہت کچھ ہے ہمیں جتنا میسّر ہے
علیؑ دستِ خدا ہے زورِ بازوئے پیمبرؐ ہے
علیؑ مشکل کشا خیبر شکن مولائے قنبرؑ ہے

گُلِ نورس جہاں کا ہے کہ یا رب رُوئے انور ہے!
یہ کیا ہے سُنبلِ جنّت ہے، یا زُلفِ معنبر ہے؟
مدینہ علمِ خالق کا اگر قلبِ پیمبرؐ ہے
تو پھر بابِ مدینہ کون ہے؟ حیدرؓ ہے حیدرؓ ہے
شفاعت کیلئے حامی مرا سبطِ پیمبرؐ ہے
کسے کھٹکا ہے دوزخ کا، قیامت کا کسے ڈر ہے؟
علیؑ مولائے عالم ہے، علیؑ خاقانِ خیبر ہے
علیؑ ہے والیٔ جنّت، علیؑ ساقیٔ کوثر ہے
حسینؑ ابنِ علیؓ پر جان دی، جنّت ملی حُرؓ کو
دھنی تقدیر کا ہے، اور قسمت کا سکندر ہے
بدل جائے ستارہ میری قسمت کا تعجب کیا؟
علیؓ کے اک اشارہ میں پھرا خورشیدِ خاور ہے
الٰہی کس کی آمد ہے جناں میں حوضِ کوثر پر
یہ موجِ کوثر و تسنیم کیوں آپے سے باہر ہے؟

فرشتوں نے کہا جب حُرؑ کو دیکھا لشکرِ دیں میں
خدا کی شان تو دیکھو، جو بدتر تھا وہ برتر ہے
اشاروں سے بتاتے ہیں شہِ دیںؑ تشنہ کاموں کو
وہ ہے باغِ جنّت، غازیو دیکھو وہ کوثر ہے
محبّانِ علیؑ مقبولِ درگاہِ خدا و ندی
جو دشمن ہے علیؑ کا پیشِ حق کافر سے بدتر ہے
گلوئے شاہؑ پر خنجر ہے اور قاتل ہے سینے پر
یہ عاشورے کا دن ہے، اے خدا یا روزِ محشر ہے!
کہا شہؑ نے جو اکبرؑ کی طرف فوجِ لعیں آئی
ارے کس کو مٹاتے ہو یہ تصویرِ پیمبرؐ ہے
محبّانِ علیؑ اس شان سے آئے قیامت میں
کہ دل پر ہاتھ لب پر نعرۂ اللہ اکبر ہے
کہاں میدانِ مدحت اور کہاں کلثوم کی ہستی
یہ فضلِ کبریا ہے اور لطفِ شاہِ خیبرؑ ہے

سلام (۳)

وہ جانِ مصطفائیؐ زورِ بازوئے رسالت ہے،
جسے سایہ میں تلواروں کے سونا خوابِ راحت ہے،

کسے کھٹکا ہے لحد کا اور کسے خوفِ قیامت ہے،
خُدا رکھے مرا حامی علیؑ شاہِ ولایت ہے،

مُنوّر ہیں در و دیوار انوارِ ولایت سے!
کہ آغوشِ میں کعبے کے خورشیدِ امامت ہے،

زمینِ کربلا پر خُلد کو کیوں رشک ہوتا ہے؟
مقدر اپنا اپنا ہے یہ اپنی اپنی قسمت ہے

سلیمانؑ کر دیا حضرت نے ایک خاتم کی سائل کو
علی ابن ابی طالبؑ سے کہاں حاتم کو نسبت ہے

مُحِبُوں کو بچا کر دشمنوں کو قتل کرتی ہے
علیؑ کی تیغ ہے یا کوئی معیارِ عدالت ہے؟

پیامِ صدا اجل لے کر چلی ہے فوجِ اعدا میں
تری تلوار میں بھی اللہ اللہ کیا قیامت ہے!

مُحبّانِ علیؑ کی کیفیت کا پوچھنا کیا ہے!
زباں پر نام، دل میں یاد اور آنکھوں میں صورت ہے

پسِ مُردن لحد کو میری تاریکی سے کیا نسبت؟
خُدا رکھے مرا داغِ محبّت، شمعِ تربت ہے

میں آنکھوں سے لگاؤں دل میں رکھ لوں ایسے خاروں کو
کہ جن خاروں کو پائے شاہؑ سے صاحب سلامت ہے

یہ کس کا خونِ ناحق رنگ لایا ہے زمانہ میں؟
ذرا دیکھو نمایاں کیوں شفق کی سُرخ رنگت ہے،

جو تیر آیا، یہ کہہ کر رکھ لیا حضرتؑ نے سینے میں
ہمارے خانۂ دل میں تمہاری آج دعوت ہے

جنابِ فاطمہؑ نکلی ہیں لے کر لاشۂ اصغرؑ
یہ اک محشر میں محشر ہے قیامت میں قیامت ہے،

نہ ہو کلثوم کیوں تاریک عالم اپنی نظروں میں
کہ جب آنکھوں سے پنہاں شاہدِ مقصد کی صورت ہے

سلام ۲،

فتح اُن کے ہاتھ سے مجرائی خیبر ہو گیا
قطع جن کی تیغ سے جبرئیل کا پر ہو گیا
آج پیدا بُت شکن کعبے کے اندر ہو گیا
لو پرانا بُتکدہ اللہ کا گھر ہو گیا
اے شفیع المذنبین، اے رحمۃ للعالمین!
امّتِ مرحومہ کا شیرازہ ابتر ہو گیا
بادہ کش پھبتیاں کستے ہیں ان کو دیکھ کر
اب چھلکنے ہی کو ہے لب ریز ساغر ہو گیا
کیا مدینہ ہو کے آتی ہے تو اے بادِ بہار
تیرے جھونکوں سے مشامِ دل معطّر ہو گیا!

تو نے دستِ ناز سے جب اک اشارہ کر دیا
سب نے دیکھا چاند دو ٹکڑے فلک پر ہو گیا
آنکھیں جھپکائیں یدِ بیضا نے جلوہ دیکھ کر
ہاتھ کا ہر سنگریزہ مہرِ انور ہو گیا
منزلِ عشقِ نبی اک آن میں طے ہو گئی
میرے دل کا شوق، میرے دل کا رہبر ہو گیا
آشنا سُن کر حشر کے دن ہوگا دیدارِ نبی
کُشتۂ ہجرِ نبی مشتاقِ محشر ہو گیا
وادیٔ عشقِ نبی میں جیسے ہی رکھا قدم
مجھ کو میرے پاؤں کا ہر نقش رہبر ہو گیا
عاصیوں کو حشر میں گونہ تسلّی ہو گئی
جب سرِ ولی پر سایۂ دامانِ حیدر ہو گیا
بخششِ سائل کو انگوٹھی جیسے اے دستِ خدا!
رشکِ ایوانِ سلیماں آپ کا در ہو گیا

خیبر و خندق ہی پر کیا منحصر ہے یا علیؓ
آپ ہی کے ہاتھ سے ہر معرکہ سر ہو گیا
اس کے رتبے کا ٹھکانا کیا ہو جس کا ایک وار
دونوں عالم کی عبادت کے برابر ہو گیا
فیض ہے یادِ قسیم کوثر و تسنیم کا
جو گرا آنکھوں سے آنسو آبِ کوثر ہو گیا
کیسے کیسے معرفت والے تھے اصحابِ رسولؐ
ہر عمل سے جن کے راضی ربِّ اکبر ہو گیا
کوئی سر سے پاؤں تک ایمان سے معمور تھا
اور کوئی شاملِ آلِ مطہرؑ ہو گیا
کربلا والے گلے مل مل کے ہوتے تھے فدا
جاں نثاروں کو ہلالِ عید خنجر ہو گیا
خواب میں زہراؑ کی لے لے کے میں نامِ حسینؑ
وجہِ بیداری قسمت دیدۂ تر ہو گیا

آسمان کی روتے روتے لال آنکھیں ہوگئیں
جب نہال باغ زہراؑ خون میں تر ہوگیا

ہاتھ ملتی ہی رہیں موجیں لبِ دریا مگر
ذبح پیاسا مالک تسنیم و کوثر ہوگیا

اے نصیری کے خدا میری طرف بھی اک نظر
مژدہ اے کلثوم میرا بخت یاور ہوگیا

سلام (۵)

نہ کوثر کی طلب ہم کو، نہ ہم جنّت کے خواہاں ہیں
ہمارا مامن و ملجا شہِ بطحا کی گلیاں ہیں

رہیں گے سرنگوں محشر کے دن تک مرحب و عنتر
کچھ ایسے ذوالفقار حیدرؑ کے ان پہ احسان ہیں

ہوا ہے عقد کس نوشاہ کا عرشِ معلیٰ پہ پُر
فرشتوں میں یہ باہم کیسی رنگ رلیاں ہیں؟

نہ جائیں گے نجف سے باغِ جنّت میں نہ جائینگے
یہیں جنّت کی راہیں ہیں یہیں بخشش کے ساماں ہیں

یہیں کہتے تھے ہم تو ہم قضا بھی لوٹ ہے اس پر
قیامت کی ادائیں ذوالفقارِ شہؑ میں پنہاں ہیں

کہاں حاتم کہاں رستم کہاں ہم سکل پیغمبرؐ
سخی ابن سخی ہیں، شیر ابن شیر یزداں ہیں

نہ کیوں کون و مکاں سر کو جھکا دیں ان کے قدموں پر
کہ وہ کلثوم کے مولا ہیں ان کے سب پہ احساں ہیں

سلام ۶

فردوس تشنہ جن کے ہے دیدار کے لئے
وہ پھول چاہئیں گل و گلزار کے لئے

ہونے کو یوں کلیمؑ بھی عیسیٰؑ بھی ہیں مگر
بخشش کا تاج ہے مرے سرکارؐ کیلئے

کعبہ ہے کربلا ہے، مدینہ ہے طوس ہے
کیا کیا علاقے ہیں تری سرکار کیلئے

پردے پڑے ہوئے ہیں تری جلوہ گاہ پر
یہ اہتمام طالب دیدار کے لئے!

جائے نہ دردِ ہجر شہِ بوترابؑ کا
تریاق ہے مرے دلِ بیمار کیلئے

آتا تھا کون حیدرؑ و صفدر کے سامنے
لاتی تھی موت گھیر کے تلوار کے لئے

دونوں جہاں کی دیدی عبادت رسولؐ نے
کس کو، علیؑ کو، کاہیکو، اِک وار کے لئے

تیغ علیؑ اعدو ہی نہیں تیرے پا مُرید
محشر نے بھی قدم تیری رفتار کے لئے

پابند کیوں یزید ہو صوم وصلوٰۃ کا
طاعت نہ جب کہ فرض ہے میخوار کیلئے

داغِ غمِ حسین مجھے کیوں نہ ہو عزیز
مشعل ہے یہ لحد کی شبِ تار کے لئے

یہ تیغِ علیؑ نہیں ہے یہ دستِ حسینؑ میں
پیکِ اجل ہے لشکرِ کفّار کے لئے

باغِ علیؑ کے لٹنے پہ میں ہی نہیں ملول
شبنم بھی روتی ہے اُسی گلزار کے لئے

زندانِ اہلِ بیتؑ کا کیا حال ہو بیاں؟
یہ نقش اور اُن درو دیوار کے لئے!

کیا علاج کس کی تسلّی، کہاں دوا!
تھا طوق، حلقِ عابدِؑ بیمار کے لئے

کلثومِ اہلِ بیت ہیں خورشیدِ کائنات
وہ روشنی ہیں دیدۂ بیدار کیلئے

سلام (۷)

ہے کعبہ وہ دل جس میں شبیرؑ کی اُلفت ہے
دل ہے تو عبادت ہے شب ہو تو عبادت ہے،
شمعِ گُلِ زہراؑ کے پروانوں کا کیا کہنا
ہر قطرۂ خوں جن کا پروانۂ جنّت ہے
سر جھکتے ہیں شاہوں کے شاہا تری تُربت پر
آباد مجنُوں سے تیرا درِ دولت ہے
ہے جس کی عبادت پر خود نازِ عبادت کو
اے جانِ دلِ زہراؑ وہ تیری عبادت ہے،
دنیا نے بہت سمجھا پھر بھی نہ کچھ وہ سمجھی،
تو کون ہے تو کیا ہے؟ کیا تیری حقیقت ہے،
ہے کون حسینؑ آخر میں تم کو بتاتی ہُوں؟
قرآن الٰہی کی سب سے بڑی آیت ہے

ہر دل کی امانت ہے، یہ نامِ حسینؑ اب تک
کلثومؑ دو عالم کی اس نام سے عظمت ہے،

سلام (۸)

لٹایا مال، دی جان، حق نگر ہے
شہادت ہی تیری فتح و ظفر ہے
غمِ حسینؑ میں جو ہو نہ محزوں دل
وہ دل ہرگز نہیں پتھر جگر ہے
سکینہؑ شام میں کہتی تھیں رو رو
دِکھا دو کس جگہ بابا کا سر ہے؟
دُرِ اشکِ عزا کیا تیرا کہنا
جو ہے مرغوبِ رب تو وہ گُہر ہے
کہا زینبؑ نے یہ شمرِ لعیں سے
کیسے کرتا ہے ذبح کچھ خبر ہے؟

محمدؐ مصطفیٰؐ کا ہے نواسا
علیؑ مرتضیٰؑ کا یہ پسر ہے
جِلا اسلام کو دی اپنے خوں سے
ارے شبیرؑ یہ تیرا جگر ہے
بہ ظاہر سبز ہے پُر خون ہی مہندی
غمِ شبیرؑ کا دِل پر اثر ہے
مسلماں کیسے تھے جو دیکھتے تھے
نبیؐ کا سارا کنبہ ننگے سر ہے
کنیزانِ حسینؑ میں ہو کلثوم
تمہیں کیا خوف گر نارِ سقر ہے

ولادتِ علیؑ مرتضیٰؑ

خیر مقدم ہو رہا ہے جا بجا کس واسطے؟
چل رہی باغِ جنت کی ہوا کس واسطے؟

مست ہے بادِ صبا کس کی خوشی میں آج یوں
جھومتی ہے آسماں پر یہ گھٹا کس واسطے ؟
جس طرف دیکھو کھِلے ہیں پھول رنگا رنگ کے
اس طرح گلزارِ ہستی ہے سجا کس واسطے؟
محوِ عشرت کیوں ہیں مومن گونجتی یہ عید ہے!
یہ مبارک باد کا ہے ، غُلغُلہ کس واسطے!
بھر رہے جام گُل میں کیوں شرابِ معرفت
ساغرِ مئے غنچہ ہے بنا کس واسطے؟
پتے پتے پر چمن میں کیوں یہ چھائی ہے بہار
سرخ ہے جوشِ مسرت سے حنا کس واسطے؟
آج کعبے میں علی مرتضیٰؑ پیدا ہوا
زوجِ زہراؑ و وصیِّ مصطفیٰؐ پیدا ہوا

مخدومۂ عالمؑ

خاتونِ خُلد بنتِ پیمبرؐ ہیں فاطمہؑ
نورِ خدا ہیں زوجۂ حیدرؑ ہیں فاطمہؑ
رُتبے میں فخرِ مریمؑ و حواؑ بتولؑ ہیں
ارض و سماء کا نور یہ دُختِ رسولؐ ہیں
پیارے نبیؐ کی آنکھ کا تارا تھیں نور تھیں
ایمان و آگہی کا مقدّس ظہور تھیں
شوہر وحیدِ عصر، پدر مقتدائے خلق
دونوں پسر جناب کے ہیں رہنمائے خلق
کیا شان بنتِ احمدِ مرسلؐ نے پائی ہے
خالق کے گھر سے چادرِ تطہیر آئی ہے
حُور و ملک ہیں تابعِ فرمانِ فاطمہؑ
پیغمبرِ زمانؐ ہیں ثنا خوانِ فاطمہؑ

آتی تھیں جب حضورؑ کی تسلیم کے لئے
اُٹھتے تھے خود رسولؐ بھی تعظیم کے لئے
اپنی جگہ بٹھاتے تھے سردارِ انبیاءؑ
بوسہ جبینِ پاک پہ دیتے تھے مُصطفیٰؐ
گلزارِ خُلد سایہ ہے اس ایک پھول کا
کتنا بلند رتبہ ہے بنتِ رسولؐ کا
کلثوم میری جاں ہے طلبگارِ فاطمہؑ
ہوں میرے بھی نصیب میں انوارِ فاطمہؑ

علمدارِ کربلاؑ

اے علمدارِ جری، لختِ دلِ شیرِ خداؑ
تا ابد روشن رہیگی تجھ سے تنویرِ وفا
اے گلِ بستانِ حیدرؑ اے بہارِ مرتضےٰؑ
تیری خوشبو سے مہک اُٹھی زمینِ کربلا

قوتِ بازوئے سرورؑ، نورِ عینِ مرتضےٰؑ
آسرا اہلِ حرم کا کون تھا تیرے سوا!
تو تھا سقائے سکینہؑ عاشقِ سرور تھا تو
تو نشانی تھا علیؑ کی ثانیِ جعفرؑ تھا تو
اے علیؑ کے شیر اے آرامِ جانِ مرتضیٰؑ
تجھ سے ظاہر تھی جہاں میں عز و شانِ مرتضیٰؑ
تو بنی ہاشمؑ کا مہرِ ضو فگن تھا لاکلام
تیری صورت کا اِک ادنیٰ عکس تھا ماہِ تمام
ہے شفق زار دل میں تیرے خوں کی عظمت عیاں
کس بلندی تک گیا تیری شہادت کا نشاں
تو نے دنیا کو دیا ہے حق پرستی کا سبق
تیرے اس ایثار سے تھا خود دلِ باطل بھی شق
پیکرِ مہر و وفا اے مرتضےٰؑ کے جان و دل
تیرے مرنے سے ہُوا تھا قلبِ زہراؑ مضمحل

باپ کہلایا ترا گر فاتحِ بدر و حنین
تا قیامت نام ہے تیرا علمدارِ حسینؑ
کیجئے کلثوم کو بھی جلد مولا شاد کام
واسطہ پیاری سکینہؑ کا شہِ عالی مقامؑ

شش ماہہ مجاہد

اے کہ تو دلبندِ بانوئے عجم!
اے کہ فرزندِ حسینِؑ ذی حشم!
مرحبا ای اصغرِؑ عالی ہمم!
حالِ شہِ ابرارؑ سے پوچھے کوئی
بانوئے ناچارؑ سے پوچھے کوئی
عابدِ بیمارؑ سے پوچھے کوئی
زینبِؑ غمخوار سے پوچھے کوئی

سخت آپڑا تھا وقت جب اسلام پر   جان تو نے دی خدا کے نام پر

بچپنے میں جھیل کر رنج و الم
تو نے ثابت کر دیا صبر اُتم
مرحبا اے اصغرِ عالی ہمم!

باپ کے ہاتھوں پہ جانا یاد ہے
خشک لب سب کو دکھانا یاد ہے
اپنی حالت پر رُلانا یاد ہے
تیر کھا کے مُسکرانا یاد ہے

آہ اے ننھے مجاہد شیر خوار   تیری ہمت کے فدا تجھ پر نثار
تیری گردن پر لگا تیرِ ستم
جُرأت آموزِ جہاں تیرے قدم
مرحبا اے اصغرِ عالی ہمم!

نوحہ

یہی کہتی تھی زہراؑ کرکے بُکا
مرا باغ عُدو نے اُجاڑ دیا
ہُوئی مجھ پہ کیسی یہ ہائے جفا
مرا باغ عُدو نے اُجاڑ دیا

جِسے ناز و نعم سے پالا تھا
اُسی نورِ نظر کا وا ویلا!
گھوڑوں سے بدن پامال کیا
مرا باغ عُدو نے اُجاڑ دیا

اکبرؑ بھی سِدھارے نُوبن میں
عباسؑ گئے مارے رن میں
اصغرؑ کے گلے پہ تیر لگا
مرا باغ عُدو نے اُجاڑ دیا

میرے بیٹے کے سینۂ زخمی پر
بیٹھا تھا وہ شمرِ بد اختر
کس ظُلم سے کاٹا سوکھا گلا
مرا باغ عدو نے اُجاڑ دیا

میری پوتی کے دُر بھی اُتارے ہیں
اور اُس کو طمانچے مارے ہیں
ہوئی اُس پہ یہ کیسی ہائے جفا
مرا باغ عدو نے اُجاڑ دیا

قید آہ کیا ہے سارا گھر
در در اکہ پھرایا ہے در بدر
میری بیٹی کی چھینی سر سے ردا
میرا باغ عدو نے اُجاڑ دیا

نوحہ

مرجائے گی، مرجائے گی، مرجائیگی صغراؑ
گر قتلِ شہِ دینؑ کی خبر پائے گی صغراؑ
سر پیٹ کے ماتم میں بہت ہوگی پریشاں
بابا کو وطن میں جو نہیں پائے گی صغراؑ
روئے گی بہت ہجر میں فریاد کرے گی
اکبرؑ سے برادر کو نہ جب پائے گی صغراؑ
افسوس کہ عباسؑ بھی دریا پہ ہوئے قتل
اللہ کہاں ایسا چچا پائے گی صغراؑ
کون آئے گا صغراؑ کی پسِ مرگ لحد پر؟
جب خاک میں اس طرح سے مل جائیگی صغراؑ
یہ شان بھی کچھ اپنی کنیزوں کی دکھاکر
کلثوم شفاعت تری فرمائے گی صغراؑ

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے

لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے

محبّت

پئے اہلِ دُنیا ہے ساری محبّت
ہماری محبّت تمہاری محبّت
نہ کچھ فرق جس سے رہا ہم میں تم میں
یہی ہے نہ دُنیا میں پیاری محبّت
اسی کی ہر اک جا یہ گل کاریاں ہیں
گلِ خلق کی ہے یہ کیاری محبّت
کبھی ہم نے دشمن کو دشمن نہ جانا
خدا پر ہے روشن ہماری محبّت
اسی دن سے ادبار آیا وطن میں
کہ جس روز یاں سے سدھاری محبّت
لگاؤ ذرا بھی ہو اگر اس میں
تو پھر جام سم ہے یہ پیاری محبّت

نہیں اچھی واللہ ظاہر پرستی
کہیں مٹ نہ جائے یہ ساری محبّت

ملو جس کسی سے ملو صاف دل سے
وفا سے بھری ہو تمہاری محبّت

وُہی خون ہم میں وُہی خون تم میں
ہے جس کے سبب پیاری پیاری محبّت

سُلطانہ کے نام

کبھی جب رات کی تنہائی میں تم مضطرب ہوگی
کبھی جب فکر کی گہرائی میں تم مضطرب ہوگی
تمہیں اس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا

صدا کوئل کی آئے گی جو اک گمنام کانوں میں
پھرو گی تم جو تنہا دشت میں یا گلستانوں میں
تمہیں اس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا

اگر تنہائی میں تم شعر کوئی گنگناؤ گی
اور اس میں تم کسی کی حسرتِ دیدار پاؤ گی
تمہیں اس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا
کرے گی گر کوئی منّت سماجت عاجزی کے ساتھ
کبھی جو مسکرا کے تھام لوگی تم کسی کا ہاتھ
تمہیں اس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا
بہار آ کر ستائے گی خزاں تم کو رلائے گی
تصوّر میں تمہارے میری صورت گھوم جائے گی
تمہیں اس وقت اک بھولا فسانہ یاد آئے گا

احساسِ زوال

فلک نے ہم کو خاک میں ملا کے دیکھ لیا
بڑھا کے دیکھ لیا اور گھٹا کے دیکھ لیا
نہ اب وہ دولت و عظمت نہ عزّت و حشمت

ہر اک شکل میں ہم کو مٹا کے دیکھ لیا

بجائے تختِ حکومت، بجائے مسندِ جاہ
صفِ نعال میں ہم کو بٹھا کے دیکھ لیا

جو آج تک کبھی باتیں سُنی نہ تھیں ہم نے
وہ باتیں بھی فلک تو نے سُنا کے دیکھ لیا

ہماری ذلّت و خواری و بے کسی کا سماں
جو دیکھنا تھا وہ سب کو دِکھا کے دیکھ لیا

مٹا کے سطوت و حشمت مٹا کے جاہ و جلال
غلامِ غیر کا ہم کو بنا کے دیکھ لیا

گِرا کے رنج و مصائب کی بجلیاں ظالم
ہمارا خرمنِ عشرت جلا کے دیکھ لیا

ہماری چھین کے آزادیٔ عمل تو نے۔
شکنجِ دامِ بلا میں پھنسا کے دیکھ لیا

ہمارے صبر و سکون کا تھا امتحاں کلثوم

ہر ایک طرح سے اب آزما کے دیکھ لیا

اپنا ماضی و حال

چشمِ گریاں، سینہ بریاں، آہ بے تاثیر ہے
کیا کہوں، کس کو سناؤں، شرم دامن گیر ہے
کشمکش میں جان ہے جینا بڑی مشکل میں ہے
کیوں نہ کہہ دوں، صاف دل کی بات جو کچھ دل میں ہے
آہ اب تک بھی مجھے اپنی کہانی یاد ہے
جب خدا کی ہر طرح تھی مہربانی یاد ہے
آہ جے پور کی زمیں بھی شہرۂ آفاق تھی
رونقِ نسرین و گل تھی زینتِ اوراق تھی
شادمانی، کامرانی، جاہ تھی اپنی غلام
دولتِ دنیا و دیں کرتی تھی جھک جھک کے سلام
علم میں بے مثل تھے فضل میں تھے بے نظیر

نیک سیرت، پاک باطن، صاف دل، روشن ضمیر
عیش و عشرت تھا فراواں، ہرگز نہ غم کھاتے تھے ہم

سیم و زر سے کھیلتے تھے، پر نہ اٹھلاتے تھے ہم
یاد آتا ہے کہ جب بستیٔ گل و گلزار تھی

ہم جہاں جاتے تھے عزت آئینہ بردار تھی
اِس سرے سے اُس سرے تک تھی مکانوں کی قطار

اللہ اللہ وہ مکیں تھے جن کے چہرے نور بار
بادۂ عیش و مسرت کے نشے میں چور تھے

یاس سے، غم سے، الم سے، کاہشوں سے دور تھے
الغرض دُنیا ہماری تھی زمانہ کارساز

ناز تھا ہم کو وطن پر اور وطن کو ہم پہ ناز
وہ خوشا عہدِ مسرت، وہ خوشا دورِ حیات

دن ہمارے عید تھے راتیں ہماری شب برات
ہائے وہ دن جب کہ ہم تھے، گلستاں آباد تھا

بلبلوں کا جمگھٹا تھا، آشیاں آباد تھا
رنگ میں، بو میں، گُلوں میں تھی فضا آئی ہوئی
تازگی کلیوں نے غنچوں نے ہنسی پائی ہوئی
گوشہ گوشہ غیرتِ صد خطۂ کشمیر تھا
ہم کو تو بے پورہی جنّت کی اک تصویر تھا
وائے قسمت کائناتِ دل ہماری لٹ گئی
عیش کی دُنیا ہماری آہ ہم سے چھٹ گئی
بادِ صرصر چل پڑی ایسا کہ ویراں کر دیا
دشت کا تو ذکر کیا، گھر کو بیاباں کر دیا
اب نہ کوئی کوٹھی ہے نہ بنگلہ نہ پائیں باغ ہے
دامنِ گلشن پہ مرجھایا ہُوا گُل داغ ہے
جل کر خاکستر ہوئی کھیتیاں کردار کی
خرمنِ ہستی پہ بجلی گر پڑی ادبار کی
پھنس گئی کشتی بھنور میں مال کی اقبال کی

گردشِ قسمت نے مٹی خوار کی، پامال کی
تنگ ہم پر یہ زمیں ہے آسماں ہے تاک میں
ہو گیا جینا اجیرن، آ گیا دم ناک میں
درد میں، غم میں، مصیبت میں سدا دلگیر ہیں
ہم سراپا درد ہیں اور درد کی تصویر ہیں
اُڑ گئی چہرے سے رونق، ہو گیا پژمردہ دل
ہاتھ میں قوت نہ دل میں جوش، طاقت مضمحل
تنگ دستی، فاقہ مستی نے ہمیں گھیرا ہے آج
اب نہ دُنیا ہے نہ عقبیٰ سب نے منھ پھیرا ہے آج
دِل فگاری، آہ وزاری، اشک باری کام ہے
ہم سے اسلاف و وطن کا نام بھی بدنام ہے
ہو گیا ایسا تغیّر، آ گئی اِک بار گی
تیرگی، افسردگی، پژمردگی، آوارگی

حال ابتر، قال ابتر، جیب و داماں تار تار
آہ قسمت بن گئی ہے، باعثِ صد انتشار
بن کے صیدِ دامِ حرص و آز رُسوا ہو گئے
جو تماشہ دیکھنے تھے خود تماشا ہو گئے
لُٹ گئی اسلاف کی دولت اگر تو کیا ہوا
پھر بھی ہم میں جوش باقی ہے ابھی اسلاف کا
غیر ممکن ہے کہ مٹ جائے شرافت کا اثر
ہے دبا خاکسترِ افلاس میں اب بھی شرر
مل سکے کوئی سہارا تو چمک اٹھے یہ شرر
خندہ زن ہو جو شعاعِ مہرِ عالمتاب پر

صدائے دل

خدایا دُور کر اربابِ ملّت کی پریشانی
الٰہی کارِ مشکل میں دکھا دے شکلِ آسانی

وہی ہم ہیں کہ جن کی کوششوں نے فرشِ عالم کو
ضیائے علم و فن سے کر دیا تھا عرشِ نورانی
وہی ہم ہیں کہ دولت حاشیہ بردار و دربان تھی
وہی اب ہیں کہ درِ اغیار کی کرتے ہیں دربانی
وہی ہم ہیں کہ غیروں کے لئے کی تھی مسیحائی
وہی اب ہیں کہ مُردہ دل بنے ہیں شائے نادانی!
نہ وہ جاہ و حشم باقی، نہ اب وہ شانِ خودداری
کہاں اب حوصلہ دل میں کہاں اب جوشِ ایمانی
نفاقِ باہمی نے یوں گھٹایا اپنی طاقت کو
کہ اعضاء ہو گئے ڈھیلے گھٹا جب زورِ جسمانی
غرض سب ہو گئے رخصت نہ ہمت ہے نہ جرأت ہے
نہ سطوت ہے نہ صولت ہے نہ ہے اب گنجِ پنہانی
ہوئے جاتے ہیں غائب رفتہ رفتہ ملک و ملت سے
خلوص و جوش و وجدانِ دین اور احساسِ روحانی

نہ اب صنعت پہ قدرت ہے نہ ہاتھوں میں تجارت ہے
اسی پر ہے فخر غیروں کی کرتے ہیں جو دربانی
وجود بے وجودی پر ہیں ناداں کس قدر توبہ!
تہی دستی میں یہ نخوت، تمرّد وائے نادانی!
کون ایسا ہے بتاؤ مونس و غمخوار ملّت میں
صدائے العطش سن کر پلادے بوند بھر پانی
اٹھو اے سونے والو! آنکھیں کھولو خواب غفلت سے
کرو تم آپ اپنی اس زمانہ میں نگہبانی
تمہیں کرنا ہے جو کچھ ختم کر لو، یہ کون جانے ہے
رہے کلثوم قائم کل نہ کل، یہ عالمِ فانی

برادرانِ وطن سے

ملک کی حالت پہ سینوں سے دھواں اٹھتا نہیں
سازِ دل خاموش ہے، شورِ فغاں اٹھتا نہیں

کس لئے آنکھوں سے طوفانِ نہاں اٹھتا نہیں؟
پھول روندے جا رہے ہیں باغباں اٹھتا نہیں!
بے حسی کی انتہا ہے ہوش میں آتے نہیں
ذلتوں پر ذلتیں ہوتی ہیں شرماتے نہیں
شعلۂ احساس بجھتا ہے ہوا دے دو اسے
غرق کشتی ہو رہی ہے آسرا دے دو اسے
قومیت دم توڑتی ہے کچھ دوا دے دو اسے
ملک مٹنے کو ہے پیغامِ بقا دے دو اسے
مطمئن بیٹھے ہو دل سینے میں گھبراتا نہیں
قوم کے دم توڑنے پر بھی ترس آتا نہیں
سانس لے کر اس فضا میں روح گھبراتی نہیں
جوہرِ احساسِ خود داری کو شرم آتی نہیں
تم کو تازہ داری وطن کی خاک تڑپاتی نہیں
یہ غلامی کی بلا جبرت ہے کھا جاتی نہیں

زندگی کو دعوتِ صد مرگ دینا چاہیئے
موت کی آغوش میں آرام لینا چاہیئے
چھوڑ دو ناکامیٔ قسمت کے شکوے چھوڑ دو
کچھ بھی ہمّت ہے تو یہ طوق و سلاسل توڑ دو
اوج کی جانب نگاہِ شرمگیں کو موڑ دو
رفعتِ ماضی سے پھر تقدیرِ فردا جوڑ دو
سچ تو یہ ہے قوم کے بس تن علم بیدار ہو
تا بہ کے یہ خوابِ غفلت سو چکے بیدار ہو

خونِ مُسلم

جہاں میں کس قدر اب خونِ مسلم کی ہے ارزانی
نظر آتا ہے دُنیا میں مسلماں کا لہو پانی
مسلماں دشمنوں سے مل کے دشمن ہے مُسلماں کا
مسلماں کا لہو مُسلم کے ہاتھوں وائے نادانی

زِ ہر فتحِ ما اسلامیاں یک شور می خیزد

زِ ہر ذرّہ نوائے اقتلوا المسلم برانگیزد

حُدود ہے حربۂ آتش لئے پر اس کو ڈر تو ہے

دلِ مُسلم میں پیدا کچھ برا ہیمیؑ اثر تو ہے

نہیں ہے شانِ دہلی، غزنوی، شوکتِ صفوی

کفالت کے لئے توحید کا تاباں گُہر تو ہے

کہاں ہے مصر اور بغداد کی وہ قہرماں طاقت

ائمہؑ کا سبق اب تک مگر پیشِ نظر تو ہے

مسلماں کے لئے تو نام ہے اللہ کا کافی

حیاتِ مذہبی کو ہے حدیثِ کربلا کافی

نبیؐ کا نام لیوا ہے تو اے مسلم نہ غفلت کر

حسینیؑ بن کے تیاری ذرا بہرِ شہادت کر

جو مومن ہے کبھی جور و ستم سے دب نہیں سکتا

دکھا دے شانِ ایماں ظلم کو دُنیا سے غارت کر

عمل علیہم، خدا کا نام دل میں اور لب پہ ہو
مٹا دے نامِ باطل اور بپا حق کی حکومت کر
شہادت سے تری ہو جائے گا نامِ وفا روشن
مثالِ حضرتِ شبیر اظہارِ حقیقت کر
کیا ہے کام کیا شبیرؑ نے اپنی شہادت سے
یزیدیت لرزتی ہے ابھی تک جس کی طاقت سے
کرے گی گرم میداں پھر حرارت خونِ مسلم کی
جو ڈوبتی ہیں پھر دیکھیں گے طاقت خونِ مسلم کی
بہانے خونِ ناحق کو بہا لے ہر طرف قاتل
بہانے سے بڑھا کرتی ہے قوت خونِ مسلم کی
عرب میں، ہند میں، ہر غرب یا اقصا کی اپنی میں
نہیں ہے پھر بھی کم ہوتی ہے حرمت خونِ مسلم کی
یہ ہے مظلوم کا خوں کلمہ گو کا خون ہے اے ظالم!
کھلی تجھ پر نہیں اب تک حقیقت خونِ مسلم کی

پڑھیں گے ایک دن دنیا میں سب کلمہ محمدؐ کا
نہ ہرگز رائیگاں جائے گی محنت خونِ مسلم کی
جلا دیں گے یہی قطرات خوں، باطل کی ہستی کو
کسی دن پھونک دیں گے کفر کی منحوس بستی کو

انقلابِ فلسطین

دیکھتا ہے کون صحرا کے بگولوں کی طرف
جو نظر اٹھتی ہے بس جاتی ہے پھولوں کی طرف
عیش میں یاں کر ہمیں کچھ بھی خیالِ غم نہیں
مسکراہٹ لب پہ ہے آنکھیں مگر پرنم نہیں
دیکھتا اس کے کرشمے کس کو اتنا ہوش تھا
پتی پتی دم بخود تھی گل چمن خاموش تھا
محوِ نظارہ تھیں آنکھیں دل میں طاری بے خودی
مجھ کو دیوانہ کئے دیتی تھی پھولوں کی ہنسی

دیکھتی تھی میں ابھی حسنِ چمن، رنگِ بہار
ناگہاں آئی صدائے دل کہ غافل ہوشیار
کھول آنکھیں دیکھ اپنے مسلموں کا حالِ زار
اُن کو تو ان کافر یہودوں نے بنایا ہے شکار
ان مظالم پر بھی تو سرشار ہے بے ہوش ہے
مسجدوں میں جانوروں بندھتے ہیں تو خاموش ہے
نام کو باقی نہیں اسلام کا عزّ و وقار
تیری آنکھوں سے مگر جاتا نہیں اب تک خمار
ہم ہیں حالانکہ بہت ہو چکا ہے انقلاب
سُن رہے ہیں داستانِ غم مگر کیا دیں جواب
ہو کے پابندِ حکومت کس قدر مجبور ہیں
یعنی کوسوں ہم عرب کی منزلوں سے دور ہیں
ہوک اُٹھتی ہے یہ سُن کر مرے دلِ ناکام میں
پلٹنیں کفّار کی ہوں خانۂ اسلام میں

ختم شد

نقد و نظر

(خطیبۂ ہند، زہرۂ سخن، مجاہدۂ وطن، سیدہ آختر)

مرحومہ شاہزادی کلثوم کو میں نے پہلے پہل اُس وقت دیکھا تھا جب میں ۱۹۳۸ء میں سالارِ تبلیغ کُل ہند کی حیثیت سے خاکساروں کے عظیم الشان اجتماع کو خطاب کرنے جے پور گئی تھی۔

یہ ہونہار اور باشعور لڑکی تحریکِ خاکسار، کی سادگی و پُرکاری سے بہت متأثر ہوئی۔ اور پھر وہ ایک فوجی لباس میں بیلچہ لے کر میرے سامنے آگئی، عزم و ایثار کا ایک چھوٹا سا مجسمہ، جمیل، جوش و جذبا کا ننھا سا پیکر، حسین گلشنِ کشمیر کی ایک معصوم سی کلی، جس پر شبنم کی طرح ڈھلکتے آنسو سینے میں چھپے ہوئے تلاطم کی کہانی سُنا رہے تھے اُس کا بے پناہ ذوق و شوق اور اس کے بے پایاں جذباتِ ملی اور اُس کی امنگوں کو دیکھ کر میں نے یہ محبت اُس کو ... ننھی مجاہدہ ... کا خطاب دیا۔

ہاں تو یہ ننھی مجاہدہ ۱۹۳۸ء کے بعد سے پھولتی، پھلتی رہی اور عمر کے ساتھ ساتھ اس کے رجحاناتِ ملی بھی ترقی کرتے رہے چند ہی سال بعد گردشِ افلاک نے اس "حورِ ارضی" کو اپنے آبائی وطن جنت کشمیر میں منتقل ہونے پر مجبور کیا۔ اور ہمالہ کے دامن سے "احساسِ زوال" "انقلابِ فلسطین" "صدائے دل" اور "برادرانِ وطن سے خطاب" کی دردو اثر میں ڈوبی ہوئی صدائیں اُبھریں اور نسوانی رسائل پر چھا کر کبھی بکھری

ہوئی سہیلی سلطانہ کو بھولے فضا نے یاد دلاتی رہی کبھی ماضی وحال کے خاکوں میں خونِ جگر سے رنگ بھرتی رہی۔ یہاں تک عرب وغرب میں مسلمانوں کی بیدریغ خوں ریزیوں پر نوحہ خواں ہوئی۔ حبہ خاتون اور مہجور کی جنم بھومی سے سوز وگداز میں بھرے دھیمے نغمے ابھرنے لگے —— اور پھر یہ "ننھی مجاہدہ" بہت جلد ملک کی ایک گم نام مگر مقبول شاعرہ بن گئی —— اور پھر اس کے بعد...... ع

جمالِ ہم نشین در من اثر کرد

کے مصداق کلثوم میری جانب چل پڑی۔ لیکن میں...... کجا؟..... اور کلثوم جیسی مجبور لڑکی کہاں......؟

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا؟

کلثوم مجھے پائے تو کہاں پائے؟۔ مجھے تلاش کرے تو کہاں کرے؟ میں خدمتِ ملک وقوم کے سلسلے میں آج یہاں تو کل وہاں۔ آج شمالی ہند میں کسی مذہبی اجتماع کو مخاطب کر رہی ہوں تو کل جنوبی ہند کے کسی عظیم الشان سماجی جلسے میں تقریر کر رہی ہوں۔ کبھی مشرقی ہند میں میری آواز بلند ہو رہی ہے تو کبھی مغربی ہند میں کل ہند مشاعرے کا فرضِ صدارت ادا کر رہی ہوں۔

مختصر یہ کہ ۱۹۳۸ء کے بعد میں پھر کلثوم کو نہ دیکھ سکی —— آہ —— تقریباً دس بارہ سال بعد اچانک مجھے کلثوم کے برادر گرامی اکبر جے پوری کے مکتوب سے یہ علم ہوا کہ کلثوم نے اپنی بھرپور جوانی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس روح فرسا سانحہ کی خبر سے کچھ دیر کے لئے ماضی کے نقش ونگار میری آنکھوں کے سامنے آ گئے اور بے ساختہ میری زبان پر یہ شعر آ گیا ؎

جلوۂ ماضی نظر آتے رہیں مجھ کو چار سو!
"دوڑ پیچھے کی طرف ای گردشِ ایام تو"!

بت شہزادی کلثوم کی معصوم تصویر میرے سامنے آگئی اور میں اس معصوم کو یاد کر کے آبدیدہ ہوگئی اور فی البدیہہ مرحومہ کی رحلتِ ناگہاں پر اپنے تاثرات بہ صورتِ نظم لکھ کر بھجوائے ــــ دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور رہ رہ کر "ننھی مجاہدہ" کی یاد دل کو تڑپاتی رہی۔ موت یوں تو سب کو آتی ہے لیکن مرگِ جواں، ناقابلِ فراموش ہوتی ہے ؎

زندگی کے بھیس میں خود موت گویا آگئی!
اِک کلی کھلنے نہ پائی تھی کہ بس مرجھا گئی!

دستیدہ اختر

ہر چند کہ شہزادی کلثوم آج زندہ نہیں مگر اُس کے علمی و ادبی کارنامے زندۂ جاوید ہیں۔ موت نے ہر چند کلثوم کو مجھ سے چھین لیا ہے لیکن روحِ کلثوم مجھ سے چھینی نہ جاسکی۔ کلثوم آج بھی میرے ذہن اور حافظے میں، ہر میرے شام و سحر میں مسکرا رہی ہے اور جیسے مجھ سے یہ کہہ رہی ہے کہ:-

"اے مجاہدۂ وطن! اے خطیبۂ ہند! اے زہرۂ سخن! موت بھی مجھکو آپ سے نہ چھین سکی۔ کیوں کہ میں نے عقیدت و اتباع میں شمعِ حرم، روشن کی ہے "معرکۂ کربلا" کو تازہ کیا ہے اور "شاعرات اور اقبال"، جیسا نقشِ جمیل دنیائے نسائیت کو درخشاں بنانے کے لئے چھوڑا ہے۔ میری زندگی کی ضامن میری مرتب کردہ یہی مطبوعہ کتابیں ہیں (جن کا ذکر باندازِ شاعرانہ اوپر آچکا ہے) اگر میں زندہ رہتی تو یقیناً آپ کے چشمۂ فیض

اور آ بجوئے توجہ سے ملک قوم کی عموماً اور اپنی صنف کی خصوصاً کچھ اور خدمت کرتی۔ مگر

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

اہلِ نظر و صاحبانِ دل فیصلہ کریں کہ جب سیدہ اختر کے تصورات و جذبات کا یہ عالم ہو تو پھر وہ کلثوم کی مطبوعہ مرتب کردہ کتابوں پر کیا نقد و نظر کر سکتی ہے؟ البتہ کلثوم کی محبت کا اقتضاء کچھ سطور لکھوا دے تو لکھوا دے۔

میں نے جہاں تک ۱۹۳۸ء میں کلثوم کو محسوس کیا وہاں تک مجھے کلثوم شمعِ ملک و ملت کا پروانہ نظر آئی۔ اس کی بھین صاف و سادہ میں آینِ عزت و اقبال جگمگا رہا تھا۔ اس کی شوخ مگر معصوم آنکھوں سے قوم کا مستقبل درخشاں جھانک رہا تھا۔ اس کی رفتار و گفتار میں کڑکتی ہوئی بجلیاں، بجتے ہوئے نقارے، مسکراتے ہوئے انگارے، انقلاب آفریں نظارے، اخلاق و رواداری کے دھارے اور جرات و صداقت کے ماہ پارے انگڑائیاں لے رہے تھے۔

واحسرتا! کہ یہ بے استاد کی شاعرہ۔ بے شمشیر مجاہدہ۔ ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئی اور بس

اب کہاں کلثوم لطفِ زندگانی کے مزے!
لے رہی ہوں تیری مرگِ ناگہانی کے مزے! (سیدہ اختر)

میرے پیش نظر کلثوم کی مطبوعہ و مرتب کردہ تین کتابیں میری میز پر بکھری ہوئی ہیں:۔ ۱۔ شمع حرم (۲) شاعرات اور اقبال (۳) معرکۂ کربلا

شمع حرم :۔ اردو شاعرات کے رنگا رنگ کلام کا مجموعہ ہے۔ شاعرات

"اور اقبال" میں علامہ اقبال کے کم و بیش وہ تمام اشعار ہیں جو انہوں نے عورت کی عظمت و بزرگی، نسوانی بے راہ روی، مغربی تہذیب و تعلیم کے نقائص پر کہے ہیں۔ "معرکۂ کربلا" میں خواتینِ خاندانِ اہلبیتؑ کی جرأت و ہمت اور صداقت و حریت کا بصیرت افروز درس ہے۔

ہر سہ کتب میں نسوانی دنیا کے لئے درس بصیرت موجود ہے اور ان کتابوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرحومہ کلثوم کو باوصف حُبِ ملی، اپنی صنف کی فلاح و بہبودی سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی صنف بیدار ہو۔ علم و فضل کی دولت سے مالامال ہو اور ہر معرکۂ زندگی میں صداقت و حریت کا آوازہ بلند کرے۔ یہ تھا کلثوم کا نصب العینِ حیات اور یہ تھا کلثوم کے دل کا شیرازہ اور یہ تھی کلثوم کی آرزو ـــــ آہ

نہاں ہے خونِ دل اُس کا چمن کی ڈالی ڈالی میں!
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والی میں!
(سعیدہ اختر)

اگر آج یہ ننھی مجاہدہ زندہ ہوتی یقیناً آج کی دُنیا اُسے ایک عظیم المرتبت مجاہدہ کے نام سے بصد احترام پکارتی۔ مگر ـــــ آہ

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

خادمۂ مدرسۂ ملیت
سعیدہ اختر

بیگم محل بنگلور ۸
۱۳ ر جون ۱۹۶۲ء

(مطبوعہ خاتونِ مشرق دہلی)

مستری عبدالرحمان سوفتہ